



دیوبندیت بریلویت دلائل کے آئینہ میں

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

شعبہ تحقیق و اشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

دیوبندیت و بریلویت دلائل کے آئینہ میں

- 3 افتتاحیہ
- 5 نور اور بشر
- 5 قرآن کیا کہتا ہے؟
- 6 حدیث شریف کا فیصلہ
- 7 حضرات صحابہ کیا فرماتے ہیں
- 8 ایک عام فہم مثال
- 9 بریلوی علماء کے ارشادات
- 10 دیوبندی علماء اور مقام نبی
- 12 انکارِ بشریت کی دلیل کا جواب
- 13 خلاصہ تحقیق
- 13 حاضر و ناظر
- 14 ایک اہم نکتہ
- 15 دلائل کی روشنی میں
- 17 قرآن میں ”شاہد“ کا معنی
- 19 علم غیب
- 20 علم غیب کی حقیقت
- 21 مخلوق کے لیے علم غیب ممکن نہیں
- 22 قرآنی تصریحات
- 23 نقطہ اختلاف کی تعیین
- 25 کیا حضور گوزرہ ذرہ کا علم ہے؟
- 28 ایک شبہ کا جواب
- 29 سرور عالم کو عالم الغیب کہنا؟
- 31 مخالفین کے دلائل پر نظر
- 33 مشکل کشا وحاجات روا اور مختار کل
- 33 بریلوی مسلک کی توضیح
- 34 مسلک دیوبند کی ترجمانی

35	قرآن کا فیصلہ
39	حدیثِ نبوی کا فیصلہ
42	محبوبِ سبحانی کا زرین ارشاد
43	ایک غلط فہمی کا ازالہ
45	وسیلہ
45	وسیلہ کی پہلی صورت
46	وسیلہ کی دوسری صورت
47	وسیلہ کی تیسری صورت
48	ایک وضاحت
50	چوتھی صورتِ وسیلہ
52	آیتِ وسیلہ کی تفسیر
53	عوام میں وسیلہ کی بنیاد پر جہالت
53	شفاعت
53	مسئلہ شفاعت ایک اتفاقی مسئلہ
54	نقطہٴ اختلاف کی وضاحت
55	اللہ تعالیٰ کسی کی وجاہت و محبت سے مجبور نہیں ہوتا
57	شفاعت، اجازت پر موقوف ہے
57	شفاعت کس کے لیے ہوگی؟
59	اختتام

دیوبندیت وبریلویت

دلائل کے آئینہ میں

از

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، آرمسٹرانگ روڈ، بیدواڑی، بنگلور

وخلیفہ

فقیہ الاسلام حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم

دیوبندیت و بریلویت دلائل کے آئینہ میں

دیوبندیت اور بریلویت کے اہم اختلافی عقائد پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اس میں نہ مناظرانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور نہ فلسفیانہ نکتہ آفرینوں اور علم کلام کے پیچیدہ علمی موشگافیوں کو جگہ دی گئی ہے بلکہ سادہ و صاف قرآنی و حدیثی دلائل کو تفہیمانہ انداز میں پیش کر کے حق کو واضح کیا گیا ہے۔

از

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، آر مسٹر انگ روڈ، بیدواڑی، بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

زیر نظر رسالہ ”دیوبندیت و بریلویت“ کے ان اختلافی مسائل پر لکھا گیا ہے جن کا تعلق باب عقائد سے ہے اور آسان زبان کے استعمال کے ساتھ، قہیمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے حق کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دیوبندی و بریلوی مکاتب فکر میں اگرچہ ایک طویل زمانہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے اور ان کے اختلافی مسائل پر طرفین سے ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی، مناظرانہ طرز کی بھی ہیں اور قہیمانہ انداز کی بھی، تیز و تند لہجے میں بھی ہیں اور سنجیدہ و متین انداز کی بھی، نیز اس سلسلہ میں بے شمار مناظرے بھی ہو چکے ہیں اور ان مناظروں کے تلخ نتائج بھی زمانے نے دیکھے ہیں۔ اس کے بعد اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے۔ مگر بعض حالات نے راقم الحروف کو اس پر مجبور کیا کہ اس پر لکھا جائے۔ وہ حالات یہ کہ بعض بریلوی علماء نے اپنی سابقہ روایات کو دہراتے ہوئے سال رواں کے ماہ ربیع الاول اور اس کے بعد سیرت و میلاد کے جلسوں میں علماء دیوبند کو کافر کہا اور اس سے عوام میں انتشار و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی اور وہ حق کی تلاش میں پریشان نظر آنے لگے جس کی بنا پر دیوبندی مسلک کی وضاحت اور علماء دیوبند کے عقائد کی تشریح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ تاکہ حق و باطل کا امتیاز ہو جائے اور پریشان عوام کو دلائل کی روشنی میں ان دونوں مسلکوں میں سے حق کس کے ساتھ ہے معلوم ہو جائے۔

نیز ہم نے دیکھا کہ اصل اختلاف تو کم ہے، مگر بیان کرنے والے اس کو بڑھا

چڑھا کر کے حدوں سے تجاوز کرتے ہیں، اس کی توضیح کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ راقم الحروف نے عقائد سے متعلق دیوبندی و بریلوی اختلاف کے اہم مسائل کو دلائل کی روشنی میں پیش کر کے حق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں نہ مناظرانہ طرز اختیار کیا گیا ہے اور نہ تیز و تند لہجہ، نہ علم عقائد و کلام کے دقیق مباحث و عمیق مضامین کو چھیڑا گیا ہے، اور نہ فلسفیانہ انداز کی بے تکی موشگافیوں سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث کے واضح و صاف دلائل کو حضرات علماء مفسرین وائمہ فقہ کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ حق کو کما حقہ سمجھا جاسکے۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ حق کی تلاش و جستجو کی نیت ہی سے اس کا مطالعہ فرمائیں، تنگ نظری و تعصب سے ہرگز کام نہ لیں، کیونکہ ہمیں اللہ و رسول علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرنا ہے نہ کہ کسی گروہ و فرقہ و جماعت کی۔ اگر اس نیت سے دلائل پر غور کریں گے تو ضرور حق واضح ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبولیت سے مشرف فرمائے اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت اور میرے لیے توشہ آخرت بنا دے۔ آمین یا رب العالمین

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

احاطہ مدرسہ مسیح العلوم بیدواڑی، بنگلور

۹ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

۲۳ دسمبر ۱۹۹۳ء

نور اور بشر

دیوبندی اور بریلوی نظریات جن امور میں ٹکراتے ہیں، ان میں سے ایک حضرت نبی کریم ﷺ کے نور و بشر ہونے کا مسئلہ ہے۔ بریلوی مکتب فکر کے لوگ آپ کو بشر ماننے سے انکار کرتے ہیں اور نور قرار دیتے ہیں جبکہ دیوبندی مکتب فکر آپ ﷺ کو بشر قرار دیتا ہے۔ ان میں سے حق پر کون ہے؟ اس کا فیصلہ قرآن وحدیث، پھر وہ علماء وائمہ کریں گے، جن کو دونوں مکاتب فکر کے لوگ مانتے ہیں۔

❖ قرآن کیا کہتا ہے؟

پہلے قرآن کریم کو لیجئے اور دیکھئے کہ وہ کیا کہتا ہے؟ ہم نے جہاں تک غور کیا، یہی سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ کو بشر و انسان قرار دیتا ہے اور آپ کی جنس دراصل آدمیت بتاتا ہے، مگر اسی کے ساتھ آپ کے اونچے اوصاف اور کمالات کی طرف اشارہ کرنے کے آپ کو مختلف القاب سے بھی یاد کرتا ہے اور اسی سلسلہ میں آپ کو نور بھی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ﴾

(ترجمہ: کہہ سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک آدمی ہوں، مانند تمہاری، وحی کی جاتی ہے طرف میری یہ کہ معبود تمہارا رب ہے) (سورہ کہف: آیت: ۱۱۰)

اس مضمون کی ایک آیت حم سجدہ (آیت نمبر: ۶) بھی ہے، اور دیگر مقامات پر بھی یہ مضمون دوسرے انداز سے مذکور ہے، اس آیت میں غور کیجئے کہ کس صفائی کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام بشر یعنی انسان ہیں، اور ”مثلكم“ (تمہاری مانند) کے الفاظ نے اس معنی کو اور زیادہ واضح کر دیا کہ آپ کی جنس اور اصل وہی ہے جو دیگر انسانوں کی ہے۔ مگر چونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے

بھیجا ہے اور آپ ﷺ لوگوں کو ظلمت سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتے تھے، اس لیے آپ کو اس خصوصیت کی وجہ سے نور بھی فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ [مائدہ: ۱۵]

(تحقیق کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آئی ہے)

اس آیت میں نور سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے قرآن مراد لیا ہے۔ بعض نے اسلام اور بعض مفسرین نے نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت کو مراد لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور علامہ طیبی سے اس کا اوفق ہونا نقل کیا ہے۔ (۱)

علامہ قرطبی نے بھی نور سے آپ کی ذات کا مراد ہونا نقل کیا ہے۔ (۲)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور پر نور علیہ السلام بشر نہیں تھے۔ بلکہ بشر ہونے کے ساتھ آپ نور بھی تھے، کیونکہ آپ لوگوں کو کفر کی تاریکی سے ایمان کی روشنی کی طرف لاتے تھے۔ چنانچہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی صاحب جو بریلوی مکتب فکر کے مشہور مفسر ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا؛ کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔ (۳)

مذکورہ تفصیل سے قرآن کا نقطہ نظر واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ اصل وجنس کے لحاظ سے بشر تھے اور راہ حق کو واضح کرنے والے ہونے کے لحاظ سے آپ نور بھی تھے۔

✽ حدیث شریف کا فیصلہ:

اس کے بعد حدیث شریف کو دیکھنا چاہئے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ایک حدیث درج کی ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کو نماز میں بھول ہو گئی، بعد نماز آپ

(۱) روح المعانی: ۶/۹۷ (۲) قرطبی: ۱۱۸/۶ (۳) خزائن العرفان سورہ مائدہ حاشیہ نمبر ۵۸

کو صحابہ نے بتایا۔ تو آپ نے اس پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

”وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنَسَىٰ كَمَا تَنسَوْنَ“ (۱)

(ترجمہ: لیکن میں تو ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسا کہ تم بھولتے ہو)
یہ مسلم شریف کی حدیث ہے جس کو دیوبندی بھی جانتے ہیں اور بریلوی بھی
مانتے ہیں، نیز یہی حدیث بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔ (۲)

نیز امام مسلم نے ایک واقعہ درج فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے
بعد لوگوں کو دیکھا کہ وہ تابیر کرتے ہیں، یعنی کھجور کے زرد رخت کا پھول، مادہ درخت
کے پھول سے ملا کر فصل میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اس سے ان
کو منع فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کرو تو یہ اچھا ہے۔ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تو پھل میں کمی
آگئی اور صحابہ نے اس کا ذکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا
أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ“ (۳)

(ترجمہ: میں تو ایک انسان ہوں، جب میں دین کی کسی بات کا تم کو حکم دوں تو
اس کو تھام لو، اور اگر اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک انسان ہوں)
ان دونوں حدیثوں میں جو بخاری و مسلم کی روایت کردہ اور صحیح ہیں۔ صراحت
کے ساتھ آپ نے اپنے متعلق بتایا ہے کہ میں انسان اور بشر ہی ہوں۔ لہذا آپ
کو بشر ماننا قرآن و حدیث دونوں کے فیصلہ کے مطابق ضروری ہے۔

✽ حضرات صحابہ کیا فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کو جتنا قریب سے
جانتے تھے۔ مخلوق میں سے کون اتنا قریب سے آپ کو جان سکتا ہے۔ پھر وہ حضرات

(۱) صحیح مسلم: ۲۱۲/۱ (۲) بخاری: ۵۷/۱ (۳) مشکوٰۃ شریف: ۲۸

آپ کی عظمت اور عزت جتنی کرتے تھے، کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ لہذا صحابہ کرام نے آپ کے بارے میں جو فرمایا وہ بلاشبہ حقیقت ہی کا انکشاف ہوگا اور ساتھ ہی آپ کی تعظیم و تکریم کا بھی پورا لحاظ اس میں کیا گیا ہوگا۔
اب دیکھئے وہ حضرات کیا فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اپنا جوتا سی لیتے، کپڑا سی لیتے اور گھر میں وہ کام کر لیتے جو تم میں سے کوئی کر لیتا ہے، اور فرمایا کہ آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ الخ (۱)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ”شامل نبوی“ میں بھی روایت کیا ہے۔
غور یہ کرنا ہے کہ نبی علیہ السلام کے متعلق خود آپ کی زوجہ مطہرہ صاف فرماتی ہیں کہ آپ بشر و انسان تھے۔ حضرت عائشہؓ کو جو خصوصیت نبی کریم علیہ السلام سے حاصل تھی، وہ سب کو معلوم ہے۔ انہوں نے آپ کو جلوت و خلوت کے ہر موقعہ پر دیکھا ہے۔ اور فرماتی ہیں کہ آپ انسان و بشر تھے، لہذا صحابہ کرام کا نظریہ اس سے واضح ہوا کہ وہ بھی آپ کو انسان تسلیم کرتے تھے۔

قرآن، حدیث، اقوال صحابہ سب اس پر متفق ہیں کہ آپ اصل و جنس کے اعتبار سے بشر اور انسان ہیں۔ رہا آپ کا نور ہونا، یہ دوسرے اعتبار سے ہے جیسا کہ اوپر گزر گیا۔

✽ ایک عام فہم مثال:

اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے کہ بلب جو روشنی دیتا ہے، وہ اپنے اصل و جنس کے اعتبار سے شیشہ ہے، مگر اپنی صفت کے لحاظ سے نور ہے۔ لہذا بلب کی اصل کا سوال ہو تو یہی کہا جائے گا کہ وہ شیشہ ہے، اس کے باوجود وہ نور بھی ہے۔ اگر کوئی

شخص کہنے لگے کہ بلب تو سراسر نور ہے، اس کو شیشہ نہ کہو تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ بلب کا نور ہونا سو فی صدی صحیح ہے، مگر پھر بھی وہ شیشہ ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ انسان اور بشر تھے اور اس کے باوجود نور بھی تھے۔ جو شخص آپ کو نور مان کر بشر ہونے کا انکار کرتا ہے وہ دراصل غلط فہمی کا شکار ہے۔

✽ بریلوی علماء کے ارشادات:

بریلوی مکتب فکر کے علماء بھی آپ کو بشر مانتے ہیں، چنانچہ مولانا امجد علی رضوی صاحب اپنی معروف کتاب ”بہار شریعت“ میں نبیوں کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت“ (۱)

دیکھئے کس قدر صفائی کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ انبیاء سب بشر تھے۔ ”سب“ کہہ کر تمام انبیاء کو اس میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لہذا اس میں آقائے مدنی ﷺ بھی داخل ہو گئے۔

نیز مولانا نعیم الدین صاحب مرآۃ آبادی اپنی تفسیر خزائن العرفان میں آیت:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ﴾ (سورہ نحل: ۴۳)

(ترجمہ: تم سے پہلے نہ بھیجے ہم نے مگر مرد جن کی طرف وحی کرتے تھے)

کے تحت فرماتے ہیں:

”یہ آیت مشرکین مکہ کے جواب میں نازل ہوئی، جنہوں نے سید عالم ﷺ کی نبوت کا اس طرح انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنائے۔ انہیں بتایا گیا کہ سنت الہی اسی طرح جاری ہے، ہمیشہ اس نے

انسانوں میں سے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔^(۱)

اس عبارت میں مولانا نعیم الدین صاحب نے صاف طور پر بتایا ہے کہ سنت الہی یہی ہے کہ اس نے انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا اگر نبی کریم ﷺ بشر ہیں تو کوئی تعجب نہیں بلکہ یہ بھی اسی سنت الہی کا تقاضا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بریلوی مستند علماء بھی حضور پر نور علیہ السلام کو بشر و انسان ہی مانتے ہیں، جیسا کہ دیوبندی علماء مانتے ہیں، لہذا حقیقت میں کوئی اختلاف ہی سرے سے نہیں ہے۔

❖ دیوبندی علماء اور مقام نبی:

اسی طرح دیوبندی علماء حضور اکرم ﷺ کو جس طرح بشر مانتے ہیں نور بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی، آخر زمانے میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عرضی میں جلوہ گروتا باں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا“^(۲)

ملاحظہ کیجئے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو دیوبندی علماء میں خاص مقام رکھتے ہیں، کس صفائی کے ساتھ حضور اکرم علیہ السلام کو نور قرار دیا ہے۔ نیز ماضی قریب کے مشہور دیوبندی تبلیغی عالم حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ ”شمال ترمذی“ کی شرح میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے، وہاں میل کچیل کہاں تھا، اسی طرح آپ کا پسینہ سراسر گلاب تھا جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا“۔^(۳)

(۱) خزائن العرفان سورہ نحل ف ۸۹ (۲) مجمع الجور: ۱۱۸ (۳) خصائل نبوی: ۲۵۴

معلوم ہوا کہ علماء دیوبند بھی آپ کو نور مانتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ علماء دیوبند، حضور اقدس علیہ السلام کو ایک معمولی بشر نہیں کہتے، جیسا کہ بعض لوگ ان پر الزام رکھتے ہیں، بلکہ وہ آپ ﷺ کو سید البشر و افضل البشر کہتے ہیں، اور خدا کے بعد سب سے بزرگ و برتر ہستی مانتے ہیں۔ ترجمان علماء دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علماء دیوبند کا سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارے میں عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”علماء دیوبند بصدق قلب سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو افضل الکائنات، افضل البشر، اور افضل الانبیاء یقین کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی اعلانیہ اقرار کرتے ہیں، وہ علماء (دیوبند) آپ کی ذات بابرکات کو تمام انبیاء کرام کی تمام کمالاتی خصوصیات خلت، اصطفاۃ، کلیمیت، روحیت، موادیت، مخلصیت اور صدقیت وغیرہا کا جامع بلکہ مبدانہوت انبیاء اور منشاء ولایت اولیاء سمجھتے ہیں۔ (۱) حضرت مرشدی مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ اپنی کتاب ”تعلیمات اسلام“ میں فرماتے ہیں۔

”آپ یعنی حضور اکرم علیہ السلام، خدا کے بندے اور ایک انسان ہیں خداے تعالیٰ کے بعد آپ تمام مخلوقات حتیٰ کہ تمام نبیوں اور فرشتوں سے افضل ہیں۔“ (۲)

علماء دیوبند کی ان عبارات سے اور ان کے علاوہ سینکڑوں سیرۃ النبی و مناقب و فضائل نبی پر ان حضرات کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو بشر ماننے کے ساتھ تمام مخلوق میں سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کرتے ہیں، جو آپ کو محض اپنے جیسا کہ ایک معمولی بشر مانے۔ چنانچہ مناظر اسلام مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ اپنی کتاب ”تحقیق الکفر والایمان“ میں

(۱) علماء دیوبند کا دینی رخ: ۱۱۸ (۲) تعلیمات اسلام: ۶۲۱

بشریت نبی کا مسئلہ مفصل لکھ کر آخر میں رقمطراز ہیں کہ:
 ”ایسے ہی وہ بھی کافر ہے جو آپ کو بالکل اپنے مثل بتلائے اور معاذ اللہ ایک
 دینوی اپیلی اور قاصد کی قدر، رسالت و نبوت کی سمجھے۔“ (رسالہ مذکورہ: ۱۵)

✽ انکارِ بشریت کی دلیل کا جواب:

اس تفصیل کے بعد بشریت نبی کی نفی و انکار کرنے والوں کی دلیل کا جواب
 دیدینا بھی ضروری ہے، جو لوگ حضور ﷺ کو بشر ماننے تیار نہیں، وہ قرآن و حدیث کے
 واضح دلائل کو چھوڑ کر ایک ایسی حدیث سے دلیل لاتے ہیں، جو ان کے مدعی
 پر دلالت ہی نہیں کرتی، وہ دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ

”رسول اللہ ﷺ صوم وصال یعنی بغیر سحری و افطار کے لگاتار روزے
 رکھتے۔ صحابہ نے اس کی اجازت چاہی کہ وہ بھی یوں روزہ رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے
 اس پر فرمایا کہ ”لست کا حد کم“ کہ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، اللہ مجھے
 کھلاتا پلاتا ہے“

مگر اس سے یہ سمجھنا کہ حضور انسان و بشر نہیں تھے، قصور فہم کا نتیجہ ہے، کیونکہ
 اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میرے میں ایسی خصوصیات و کمالات ہیں جو تم میں
 نہیں۔ جیسے استاذ اپنے شاگرد کو اگر یوں کہے کہ تم مجھ جیسے نہیں، تو اس کا مطلب یہ
 نہیں ہوگا کہ شاگرد انسان نہیں یا استاد انسان نہیں۔ بلکہ اس سے بتانا یہ ہے کہ
 دونوں کے مرتبوں میں فرق ہے۔ اسی طرح آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرا مقام
 و مرتبہ تم جیسا نہیں، بلکہ میرا مقام اونچا ہے۔ اور اسی کے اقتضاء سے خدا کی طرف
 سے مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے، لہذا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ ﷺ بشر نہیں تھے
 غلط ہے۔

✽ خلاصہ تحقیق:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن، حدیث و آثار صحابہ سے نبی کریم ﷺ کا بشر و انسان ہونا بصراحت ثابت ہوتا ہے، نیز آپ کا نور ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، آپ ﷺ لحاظ جنس و اصل کے انسان ہیں اور صفات کے لحاظ سے جیسے آپ ہادی، بشیر، نذیر وغیرہ القاب سے ملقب ہیں، اسی طرح آپ نور سے بھی موسوم ہیں، اور آپ کے بشر ہونے کو جس طرح دیوبندی علماء مانتے ہیں، علماء بریلوی بھی اس کے قائل ہیں اور آپ کے نور ہونے کا جس طرح بریلوی اقرار کرتے ہیں، علماء دیوبند بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

ناظرین کرام! اس واضح و صاف مسئلہ کو بعض ضدی و اختلاف پسند طبیعتوں نے عوام میں اٹھا کر ایک دوسرے پر کچڑا چھالنے کی فضا پیدا کر دی ہے۔ لہذا ایسے لوگوں کو موقع ہی نہ دیں اور ہمیشہ اللہ اور اللہ کے رسول علیہ السلام کو راضی کرنے کی فکر کریں اور حقائق کے سامنے آجانے کے بعد اس کو قبول کر کے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش فرمائیں۔

حاضر و ناظر

نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں بھی دیوبندی و بریلوی مکاتب فکر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ دیوبندی حضرات، حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا شدت سے انکار کرتے ہیں اور بریلوی طبقہ کے لوگ آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ”حاضر و ناظر“ کا مطلب کیا ہے؟ حاضر کا مطلب ہے، وہ جو موجود ہو اور ناظر کہتے ہیں اس کو جو دیکھنے والا ہو۔ مگر اس کا یہ سادہ معنی مراد نہیں ہوتا، بلکہ جب یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس سے ایک

ایسی شخصیت مراد لی جاتی ہے جو کائنات میں ہمہ وقت ہر جگہ موجود ہو اور ہمہ وقت ہر چیز کو دیکھتی ہو، سوال یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کی ذات اس معنی کے لحاظ سے حاضر و ناظر ہے؟

☆ ایک اہم نکتہ:

اس مسئلہ پر غور کرنے سے قبل ایک اہم نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے، وہ یہ کہ حاضر و ناظر کا جو مفہوم اوپر عرض کیا گیا ہے اور اسی معنی کو لے کر نبی کریم ﷺ کے ”حاضر و ناظر“ ہونے میں دیوبندی و بریلوی حضرات کا اختلاف بھی ہے، اس معنی و مفہوم کے لحاظ سے قرآن مجید ”حاضر و ناظر“ ہونا، اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیتا ہے۔

مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (حدید: ۴)

(کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو)

یہ اللہ کے حاضر ہونے کی دلیل ہے، اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

(اللہ ان چیزوں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو)

بعض جگہ بصیر کا لفظ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے،

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾

(زمین و آسمان میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں) (سبا: ۳)

یہ اللہ کے ناظر ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ طے ہے کہ اللہ کی کسی صفت کو اسی معنی و مفہوم کے لحاظ سے کسی اور کے لیے ثابت ماننا شرک ہے۔ اسی لیے توحید خداوندی کا مفہوم ہی علماء نے یہ بتایا ہے۔

اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال

میں، نہ احکام میں۔ (۱)

”یگانہ است ہم در ذات و ہم در صفات و ہم در افعال پہچ کس را در پہچ امر باوے شرکت نیست۔ (۲)

(اللہ ایک ہے ذات میں بھی، صفات میں بھی، افعال میں بھی کوئی شخص کسی چیز میں بھی اس کا شریک نہیں ہے)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ اللہ کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح یکتا ہیں کوئی مخلوق اس کی صفات میں بھی اس کے ساتھ شرکت نہیں رکھتی۔ اس تفصیل کے بعد اصل بات کی طرف آئیے کہ جب ”حاضر و ناظر“ ہونا، اللہ کی صفت ہے تو یہ صفت کسی اور کی اس معنی و مفہوم کے لحاظ سے کیسے ہو سکتی ہے؟

اس نکتہ سے خود ہی واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ کی طرح ”حاضر و ناظر“ جاننا و ماننا صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم مختصر طور پر دلیل سے یہ ثابت کریں گے، پھر اختصار ہی سے دوسرے نظریہ والوں کی دلیل پر بھی غور کریں گے۔

❖ دلائل کی روشنی میں:

اس سلسلہ میں اولاً چند احادیث کا ذکر کرتا ہوں، پھر ان سے جو سبق مل رہا ہے اس کی جانب اشارہ کروں گا۔

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) ایک غزوہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، جب واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نئی شادی کیا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم نے شادی کر لی ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا: کنواری سے یا شیبہ سے؟ عرض کیا کہ شیبہ سے (یعنی ایسی عورت سے جو پہلے کسی سے بیاہی گئی ہے، آپ نے فرمایا کہ کنواری سے کیوں نہیں کیا؟ (۳)

(۱) بہار شریعت ۳/۱ (۲) مالا بد منہ ص: ۳ (۳) مشکوٰۃ: ۲۶۷

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا ”میں“ آپ ﷺ نے پھر کہا ”میں میں“؟ گویا آپ نے اس جواب کو برا سمجھا، (کیوں کہ ”میں“ کہنے سے آنے والے کا علم نہیں ہوتا، نام بتانا چاہئے)۔ (۱)

(۳) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے بدن یا کپڑے پر پیلے رنگ کا اثر دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے شادی کر لی ہے، (یعنی یہ عطر کا رنگ ہے جو شادی کے موقع پر لگایا گیا ہے)۔ (۲)

(۴) فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے مکہ کی طرف نکلنے سے پہلے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے کفار قریش کو ایک خط لکھا تھا۔ جس میں نبی کریم علیہ السلام کا ارادہ کفار پر ظاہر کر دیا تھا، اگرچہ جبرئیل امین علیہ السلام کے اللہ کی طرف سے آکر آپ ﷺ کو یہ بتا دینے سے آپ نے اس خط کو بعض صحابہ کو روانہ کر کے ضبط کر لیا تھا۔ مگر اس سے قبل آپ ﷺ کو نہ خط لکھنے کا علم ہوا، نہ لکھنے والے کا پتہ چلا، یہ واقعہ بخاری کتاب المغازی میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے (۳)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ:

”اے عائشہ! مجھے تیرے بارے میں ایسی ایسی بات پہنچی ہے، اگر تو اس سے بری ہے تو اللہ تیری برأت ظاہر کرے گا اور اگر تجھ سے گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے استغفار کر اور توبہ کر۔“ (۴)

(۱) مشکوٰۃ: ۴۰۰ (۲) مشکوٰۃ: ۲۷۸ (۳) بخاری کتاب المغازی: ۷۷۷ (۴) بخاری، مغازی،

یہ چند احادیث ”ذخیرہ حدیث“ سے بطور ”نمونہ از خردارے“ پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی حدیث بتا رہی ہے کہ حضرت جابر کی شادی ہوئی، مگر حضور ﷺ ان کی شادی میں حاضر نہیں تھے اور نہ اس منظر کو دیکھ رہے تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا شادی کر لی؟ پھر یہ بھی پوچھا کہ باکرہ سے یا ثیبہ سے؟ اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر تھے تو آپ کیوں پوچھتے؟

دوسری حدیث میں حضرت جابرؓ آپ کے دروازے پر موجود ہیں، مگر آپ کو معلوم نہیں کہ کون دروازے پر ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو حضرت جابرؓ نے بتایا کہ میں ہوں، اس پر بھی آپ کو چوں کہ معلوم نہ ہوا کہ کون ہیں۔ لہذا آپ ﷺ نے اس جواب پر ناگواری ظاہر کی۔ اگر آپ حاضر و ناظر تھے تو آپ کو دروازے پر کون ہیں، اس کا علم نہ ہوتا؟

اسی طرح تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی شادی ہو گئی، مگر آپ کو علم نہ ہوا، چوتھی اور پانچویں حدیث سے معلوم ہوا کہ حاطبؓ کا خط لکھنا، آپ کو معلوم نہ ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بری ہونا، اللہ کے بتانے تک آپ کو معلوم نہ ہوا، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ہدایت کی کہ اگر تم سے غلطی ہو گئی ہو تو توبہ کر لو۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر ان سب جگہوں پر آپ ﷺ حاضر تھے اور وہاں کے حالات کے آپ ناظر بھی تھے تو آپ کو یہ سب باتیں پہلے ہی سے معلوم کیوں نہ ہوئیں؟ غرض ان احادیث سے واضح ہوا کہ آپ ہر جگہ نہ حاضر ہوتے ہیں، نہ ہر چیز کے ناظر ہوتے ہیں۔ ہاں جب خدا چاہتا ہے تو بہت سی باتیں آپ کو بتا دیتا ہے۔

✽ قرآن میں ”شاہد“ کا معنی:

اس کے بعد یہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ بعض لوگ جو حضور ﷺ کو ”حاضر و ناظر“

کہتے ہیں وہ قرآن میں مذکور آپ کی صفت ”شاہد“ سے استدلال کرتے ہیں، قرآن نے ایک جگہ فرمایا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا﴾ [احزاب: ۴۵]

(یعنی ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے)

اس آیت میں شاہد کے معنی گواہ کے ہیں، اس سے بعض لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ حاضر و ناظر ہیں، کیونکہ گواہی کے لیے واقعہ کے موقع پر حاضر ہونا اور اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھنا ضروری ہے۔ جب آپ تمام لوگوں کے بارے میں گواہی دینے والے ہیں تو سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

مگر یہ استدلال بالکل غلط ہے، ایک تو اس لیے کہ اگر گواہ ہونے کے لیے حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے تو قرآن نے امت محمدیہ کو بھی شاہد و گواہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرة: ۳۴]

کیونکہ وہ بھی دوسری امتوں کے خلاف اور نبیوں کے حق میں قیامت کے دن گواہی دے گی، تو کیا کوئی عقل مند اس آیت کی رو سے پوری امت محمدیہ کو ”حاضر و ناظر“ مان سکتا ہے؟

دوسرے اس لیے کہ شاہد و گواہ ہونے کے قابل وثوق ذرائع سے علم ہونا کافی ہے، حاضر و ناظر ہونا ضروری نہیں۔ جو شخص کتب فقہ سے رجوع کرے گا اس کو اس کی تفصیلات ان میں مل جائیں گی۔ مثلاً فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب مختصر القدوری میں ہے کہ نسب، موت، نکاح، جماع اور تقرر قاضی کی شہادت بلا دیکھے بھی جائز ہے اس شرط سے کہ قابل اعتبار آدمی نے خبر دی ہو۔^(۱)

اور درمختار میں لکھا ہے کہ دس چیزوں کی شہادت بلا دیکھے جائز ہے۔ ان میں

سے پان چیزیں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اور پانچ چیزیں یہ ہیں، غلام کو آزاد کرنا، ولاء، مہر، وقف اور کسی کے قبضہ میں کچھ ہونا سوائے غلام کے۔ (۱)

حاصل یہ کہ نبی کریم ﷺ کے شاہد ہونے سے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں اور آپ کے شاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کچھلی امتیں قیامت کے دن جب اپنے نبیوں کے بارے میں یہ کہیں گی کہ انہوں نے ہمیں پیغام نہیں پہنچایا تو امت محمدیہ گواہی دے گی کہ یہ جھوٹے ہیں۔ نبیوں نے پیغام پہنچایا تھا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ امت کے حق میں گواہی دیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ بھی اور آپ کی امت بھی نبیوں کے حق میں گواہی دیں گے، اور اس شہادت کی بنیاد وحی الہی ہے۔

حاصل یہ کہ نبی کریم ﷺ کو اس معنی کر ”حاضر و ناظر“ ماننا جس معنی کر اللہ کو ”حاضر و ناظر“ مانتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ احادیث اس کا رد کرتی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو بہت سے امور آپ کو بتا دیتے ہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ہر جگہ حاضر اور ہر چیز کے ناظر ہیں۔

علم غیب

عالم الغیب خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہے؟ دیوبندی نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ اور بریلوی لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ نبی کریم ﷺ بھی عالم الغیب ہیں۔ مگر دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی ان دونوں گروہوں کا اختلاف شدید ہے۔ اس مسئلہ میں صحیح بات تک رسائی کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ علم غیب کی حقیقت و اصلیت کیا ہے؟

علم غیب کی حقیقت:

علماء نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت کلام کرتے ہیں۔ غیب کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور مفسر علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

”الغیب فی الاصل مصدر غابت الشمس وغیرھا اذا استترت عن العین واستعمل فی الشی الغائب الذی لم تنصب له قرینة“ (۱)
غیب اصل میں ”غابت الشمس“ کا مصدر ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ سورج آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائے اور یہ (لفظ غیب) اس پوشیدہ چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جس کے لیے کوئی قرینہ یعنی دلیل قائم نہ ہو۔
علامہ قسطنطینی شارح بخاری فرماتے ہیں:

”وما یدرک بالدلیل لایکون غیباً“ (۲)

(جو چیز دلیل سے معلوم ہو جائے وہ غیب نہیں ہے)

ان بیانات کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ جب غیب کا لفظ استعمال میں آتا ہے تو اس کے معنی ہیں وہ چیز جو نظروں سے پوشیدہ ہو اور اس پر کسی قسم کی دلیل بھی نہ ہو اور جس پوشیدہ چیز پر دلیل قائم ہو، اور اس دلیل سے اس پوشیدہ بات و چیز کا علم ہو جائے، اس کو غیب نہیں کہتے، جیسے حواس کے ذریعہ کسی مخفی بات کا علم، تجربہ سے کسی بات کا علم، یا کسی کے بتانے سے کسی مخفی بات کا علم، یہ سب علم غیب نہیں ہے۔ کیوں کہ یہاں قرینہ و دلیل اور واسطہ قائم ہے۔

علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ ”شرح شرح عقائد“ میں علم غیب کی تعریف بتانے کے بعد اسی بات کو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وبهذا التحقيق اندفع الاشكال في الامور التي يزعم انها من الغيب وليست منه لكونها مدركة بالسمع والبصر والضرورة او الدليل“ (۱)

(ترجمہ: مذکورہ بالا تحقیق سے ان چیزوں کے بارے میں جو اشکال ہوتا تھا وہ دفع ہو گیا۔ جن کو غیب کا گمان کر لیا گیا ہے، حالانکہ وہ غیب نہیں، کیوں کہ وہ کان، آنکھ یا بذاہت یا دلیل سے معلوم ہوئی ہیں۔

اسی طرح علامہ آلوسی نے فرمایا کہ مختلف ذرائع و اسباب سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علم غیب نہیں، کیوں کہ وہ اسباب کے واسطے سے ہے۔ (۲)

حاصل یہ ہے کہ علم غیب وہ ہے جو بغیر کسی واسطہ و ذریعہ کے حاصل ہو، نہ حواس کا واسطہ ہو، نہ اپنے تجربے کا واسطہ ہو، نہ کسی انسان، فرشتہ، جن یا خدا کا واسطہ ہو، ظاہر ہے کہ ایسا علم تو صرف اللہ ہی کو حاصل ہے جس میں کسی چیز کا واسطہ و ذریعہ نہیں ہے، باقی مخلوق کو جو علم حاصل ہو گا وہ کسی نہ کسی واسطہ و ذریعہ و سبب سے ہو گا۔ خود حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کے بتانے اور معلوم کرانے سے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب صرف اللہ کو حاصل ہے، کسی مخلوق کو نہیں۔ اور کسی مخلوق کو علم غیب کا حاصل ہونا ممکن بھی نہیں، کیوں کہ مخلوق کو اللہ کے بتائے بغیر غیب کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

✽ مخلوق کے لیے علم غیب ممکن نہیں:

چنانچہ حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ روح المعانی میں بصراحت لکھتے ہیں:

”علم غیب جس کی نفی غیر اللہ سے کئی گئی ہے وہ ہے جو کسی کو ذاتی طور پر حاصل ہو، یعنی اس کے ثابت ہونے میں کسی کا واسطہ نہ ہو اور یہ (بلا واسطہ علم کا حاصل ہونا)

زمین و آسمان والوں میں کسی کے لیے بھی عقل باور نہیں کرتی، کیونکہ یہ (مخلوقات) ذات و صفت کے لحاظ سے ممکنات میں سے ہیں اور ممکن ہونا ان کے لیے بلا واسطہ کسی چیز کے ثبوت سے انکار کرتا ہے۔ (یعنی جو ممکن و مخلوق ہے وہ بلا واسطہ علم نہیں پاسکتا) (۱)

غرض یہ کہ علم غیب جس کی تفسیر اوپر آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔ کسی مخلوق کو اس کا حاصل ہونا غیر معقول و ناممکن بات ہے۔ کیونکہ مخلوق کو جب بھی علم ہوگا تو کسی نہ کسی ذریعہ و وسیلہ سے ہوگا۔ اور حضرات انبیاء و اولیاء کو جو مخفی باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ بھی اللہ کے وسیلہ و ذریعہ سے معلوم ہوتی ہیں، نہ کہ ذاتی طور پر لہذا وہ بھی علم غیب نہیں کہلاتا۔

❖ قرآنی تصریحات:

چنانچہ قرآن مجید علم غیب کو خاصہ باری عز اسمہ، وجل شانہ، قرار دیتا ہے اور غیر اللہ سے شدت کے ساتھ اس کی نفی کرتا ہے۔ تفصیل کے ساتھ دلائل نقل کرنے یہ موقع نہیں۔ لہذا یہاں صرف دو تین آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے، قرآن نے فرمایا:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (نمل: ۶۵)

(آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو ہیں وہ غیب نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو غیب کا علم رکھتا ہو، غیب کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے۔ نیز قرآن نے خاص طور پر جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا ہے کہ آپ بھی علم غیب نہیں رکھتے۔

چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا أَسْتَكْثِرُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ [اعراف: ۱۸۸]

(اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو بہت سا خیر جمع کر لیتا)

اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی اقدس ﷺ کو غیب کا علم نہیں ہے، اگر آپ کو غیب کا علم حاصل ہوتا، آپ کو دنیوی کوئی نقصان ہی نہ ہوتا، آپ پہلے سے اس سے بچاؤ کی تدبیر کر کے، خیر جمع کر لیتے، مگر سب جانتے ہیں کہ بسا اوقات نبی کریم علیہ السلام کو علم غیب نہ ہونے کی بنا پر کفار کی طرف سے ایذائیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ غرض یہ کہ غیب کا علم جس کی تعریف اوپر گزری، صرف اللہ کو حاصل ہے۔

❖ نقطہ اختلاف کی تعیین:

مگر یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ دیوبندی اور بریلوی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ذاتی طور پر علم حاصل نہیں، بلکہ اللہ کے ذریعہ و وسیلہ سے حاصل ہوا۔ دیوبندی علماء کا یہ عقیدہ تو ظاہر ہے، بریلوی علماء میں سے مولانا امجد علی رضوی صاحب نے اپنی کتاب ”بہار شریعت“ میں لکھا ہے کہ

”اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی، زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے، مگر یہ علم غیب کہ ان کو ہے اللہ کے دینے سے ہے۔ لہذا ان کا علم عطائی ہوا۔ (۱)

نیز عقائد نظامیہ جو مولانا فخر الدین چشتی نظامی کی تصنیف ہے اور اب حکیم ادریس خان بریلوی نے شخص و ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے، اس میں لکھا ہے:

”واضح ہو کہ علم غیب کو مستقل طور پر سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، لیکن اللہ چن لیتا ہے، اپنے پسندیدہ رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، تو جسے چاہتا ہے غیب کا علم بھی عطا فرماتا ہے۔ (۲)

اور خود بریلوی طبقہ کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی اپنی کتاب ”الدولۃ المکیہ“ میں اس کی صراحت کی کہ آپ کو ذاتی علم حاصل نہیں، بلکہ

عطائی علم حاصل ہے۔

ان حوالجات سے واضح ہے کہ دیوبندی حضرات کی طرح بریلوی حضرات بھی نبی کریم ﷺ کے لیے صرف عطائی علم کے قائل ہیں۔ لہذا اس نقطہ پر دونوں طبقوں کا اتفاق ہے، اسی طرح دونوں طبقوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ آپ کو تمام غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بتادی ہیں، یعنی جتنا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اتنا ہی علم حضور اکرم علیہ السلام کے لیے نہیں مانتے، بلکہ ایسا ماننے والوں کو بریلوی حضرات کا فرکہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا امجد علی رضوی نے ”بہار شریعت“ میں لکھا ہے:

”مساوات (یعنی اللہ کے علم اور نبی کے علم کی برابری) تو جب لازم آئے گی کہ اللہ عز وجل کے لیے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے، اور یہ نہ کہے گا مگر کافر ذرات عالم متناہی (محدود) ہیں اور اس کا علم غیر متناہی (غیر محدود)۔“ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ دیوبندی حضرات کی طرح بریلوی لوگ بھی یہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو تمام غیب کی باتیں نہیں بتادی گئیں۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں میں مسئلہ علم غیب پر جو اختلاف ہے آخر کس نقطہ پر ہے؟ احقر نے جہاں تک غور کیا، یہ سمجھ میں آیا کہ نقطہ اختلاف دو باتیں ہیں۔

(۲) نبی کریم ﷺ زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں یا نہیں؟

(۲) آپ کو جو غیب کی باتیں اللہ کی طرف سے معلوم ہوئیں، اس کی بنا پر آپ

ﷺ کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

لہذا ہم اپنی اگلی بحث کو انہی نقاط پر مرکوز رکھیں گے۔ اب ہم ان میں سے پہلے

نقطہ کو زیر بحث لاتے ہیں۔

☆ کیا حضور ﷺ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے؟

کیا حضور اقدس ﷺ کو زمین و آسمان کے ہر ذرہ ذرہ کا علم حاصل ہے؟ بریلوی نقطہ خیال سے اس کا جواب اثبات میں ہے۔ چنانچہ اوپر ”بہار شریعت“ کی عبارت ہم نے نقل کی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ زمین اور آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے، اور دیوبندی علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اگرچہ اللہ کی طرف سے بہت سارے علوم عطا فرمائے گئے ہیں اور غیب کی بہت سی باتوں پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے، مگر زمین و آسمان کے ہر ذرہ کا آپ کے پیش نظر ہونا، قرآن و حدیث سے ثابت نہیں؛ بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہے کہ آپ کو ہر ذرہ کا علم نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دیوبندی علماء حضور اقدس ﷺ کو معمولی نظر سے دیکھتے ہیں، نہیں! وہ حضرات تو آپ کو خدا کے بعد سب سے زیادہ علم والا مانتے ہیں۔ چنانچہ دیوبند کے مدرسہ کے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب ایک فتوے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

”وان سيدنا وشفيعنا محمدًا ﷺ اعلم الخلق وافضلهم، فمن سوى بين علمه ﷺ و علم الصبي والمجنون او علم احد من الخلائق او تفوه بان ابليس اللعين اعلم منه ﷺ فهو كافر ملعون“۔ (۱)

(یعنی ہمارے سردار و شفیع محمد ﷺ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ علم والے اور افضل ہیں، جو شخص آپ ﷺ کے علم کو بچے، مجنون یا مخلوقات میں سے کسی کے برابر بتائے، یا یہ کہو اس کرے کہ ابلیس آپ ﷺ سے بڑا عالم تھا، وہ کافر و ملعون ہے۔)

غرض دیوبندی حضرات آپ ﷺ کو سب سے بڑا عالم مانتے ہیں؛ مگر اس کے باوجود قرآن و حدیث کے دلائل کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کائنات کے

ذره ذرہ کا علم نہیں تھا، اس کے کچھ دلائل تو وہی حدیثیں ہیں جو گزشتہ مضمون ”حاضر و ناظر“ کے تحت ہم نے نقل کیے تھے کہ آپ کو بعض باتوں کا علم نہیں تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور دلائل بھی رقم کرتا ہوں۔

(۱) ایک نکاح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کچھ لڑکیاں دف بجا کر اشعار پڑھ رہی تھیں۔ انہی اشعار میں ایک مصرعہ یہ بھی پڑھا کہ ”ہمارے میں ایک ایسے نبی ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ”اس کو چھوڑ دو اور وہ پڑھو جو پہلے سے پڑھ رہی تھیں۔“ (۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا کہ حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ: ”اس کو چھوڑ دو؛ کیونکہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔“ (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود نبی کریم علیہ السلام نے اپنے بارے میں اس بات کا انکار کیا ہے کہ آپ ہر چیز جانتے ہیں۔

(۲) بخاری و ترمذی میں ایک لمبی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جہاد میں حضرت زید بن ارقمؓ نے منافق عبداللہ بن ابی کو سنا کہ وہ مسلمانوں اور حضور ﷺ کے بارے میں لب کشائی کر رہا ہے۔ حضرت زید نے اس کی خبر حضور اقدس علیہ السلام کو بذریعہ حضرت عمرؓ دی، اور آپ ﷺ نے اس کی تحقیق کے لیے آدمی بھیجا، منافقین نے انکار کیا اور جھوٹی قسم بھی کھالی۔ اس پر اللہ کے رسول علیہ السلام نے حضرت زید کو جھوٹا سمجھ لیا اور منافقین کو سچا جانا، پھر جب سورہ منافقون نازل ہوئی تو آپ کو حقیقت معلوم ہوئی۔ (۳)

(۱) بخاری: ۷۷۳/۲ (۲) فتح الباری: ۲۰۳/۹ (۳) بخاری، کتاب التفسیر: ۷۲/۲

اس حدیث میں حضرت زید کے الفاظ ہیں ”كَذَّبَنِي رَسُولُ اللَّهِ وَصَدَّقَهُ“ (یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھوٹا سمجھا اور اس منافق کو سچا سمجھا۔)
غور فرمائیے! اگر ہر ذرہ عالم کا علم آپ کو ہوتا تو اولاً آپ کو منافق کی یہ بات خود ہی معلوم ہوتی، پھر آپ ﷺ کو تصدیق کے لیے آدمی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز آپ کو علم ہوتا تو آپ حضرت زید کی تکذیب اور منافق کی تصدیق کیوں کرتے؟ معلوم ہوا کہ آپ کو ہر ذرہ ذرہ کا علم نہیں ہے۔

(۳) بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے، جس میں رات میں کسی مردے کو دفن کیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کو کب دفن کیا گیا؟ صحابہ نے بتایا کہ رات میں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں خبر نہ دی؟ عرض کیا گیا کہ ہم نے اس کو رات میں دفن کیا تھا، ہم نے برا سمجھا کہ آپ کو بیدار کریں، پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔^(۱)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالی عورت (یا ایک نوجوان) مسجد کی صفائی کرتی تھی، آپ علیہ السلام نے اس کو نہ پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں؟ صحابہ نے بتایا کہ وہ مرگئی یا وہ مر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر بتاؤ! چنانچہ صحابہ نے قبر بتائی۔ تو آپ نے نماز پڑھی۔^(۲)
ان روایات سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے مرنے، دفن ہونے اور ان کی قبروں کا آپ کو علم نہ تھا۔ آپ کو صحابہ نے بتایا۔

(۵) ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے اور کئی سوالات کئے اور آپ نے ان سوالوں کا جواب بھی دیا؛ مگر جب حضرت جبریل نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ”مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ“

(کہ سائل (پوچھنے والے) سے زیادہ اس کو نہیں معلوم جس سے پوچھا گیا ہے۔) (۱)
 نمونہ کے طور پر چند احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ ورنہ تو اس سلسلہ میں اتنی
 احادیث ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔ ان احادیث پر سرسری نظر ڈالنے والا بھی سمجھ
 سکتا ہے کہ بہت سے امور ایسے تھے جن کو نبی کریم ﷺ نہیں جانتے تھے۔ تو ذرہ ذرہ
 کا آپ کو علم حاصل ہونا خلاف تحقیق بات ہے۔

✽ ایک شبہ کا جواب:

بعض لوگ جو ان دلائل کی وجہ سے بے بس ہو جاتے ہیں وہ اپنی بات کو نبھانے
 کے لیے کچھ عجیب عجیب تاویلوں سے کام لیتے ہیں، ان میں سے یہ ہے کہ حضور اقدس
 علیہ السلام کو بالکل آخری عمر میں یعنی وفات سے ذرا قبل ہر ہر ذرہ کا علم دیا گیا تھا۔ ممکن
 ہے کسی کو ان کی تاویل سے شبہ ہو۔ لہذا اس پر بھی مختصر کلام کیا جاتا ہے۔
 قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمْ فَأَلَوْا لَا عِلْمَ لَنَا﴾

جب قیامت کے دن تمام رسولوں کو جمع کر کے پوچھا جائے گا کہ تم کو کیا جواب
 دیا گیا تھا؟ تو تمام رسول کہیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں ہے۔ (مائدہ: ۱۰۹)

یہ حضرات انبیاء کا جواب قیامت کے دن ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء
 کرام کو بعض باتیں بعد انتقال اور روز محشر بھی معلوم نہ ہوں گی۔ اور اس آیت میں
 جس طرح دیگر انبیاء داخل ہیں، ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ بھی داخل ہیں۔
 معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کے دن بھی بعض باتیں معلوم نہ ہوں گی۔

نیز حدیث میں ہے کہ ”قیامت کے دن حوض کوثر پر میں ہوں گا، اور میرے
 پاس جو آئے گا، میں اس کو سیراب کروں گا، البتہ میرے پاس بعض لوگ آئیں گے اور

میں ان کو پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ہیں مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا نئی باتیں پیدا کر دی تھیں؟ (۱)

یہ واقعہ بھی قیامت کے دن کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امتیوں کی حالت آپ کو اس دن بھی نہ معلوم ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر آپ کو بتایا جائے گا۔ اس تفصیل کے بعد یہ بھی عرض کر دوں کہ نہ صرف ان دنیوی معاملات اور لوگوں کے حالات و کوائف بلکہ بعض حمد و ثناء کے مبارک کلمات بھی ایسے ہیں جن کا علم آپ کو صرف قیامت کے دن ہوگا۔ چنانچہ حدیث شفاعت میں ہے کہ

”حضرات انبیاء لوگوں سے کہیں گے کہ تم محمد کے پاس جاؤ! لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں اللہ سے اجازت طلب کروں گا، اور مجھے اجازت دی جائے گی۔

اس کے بعد فرمایا: ”وَيُلْهُمْنِي مُحَمَّدٌ أَحْمَدُهُ بِهَذَا تَحْضُرُنِي الْآنَ“
(یعنی مجھے حمد کے کلمات الہام والقاء کیے جائیں گے جن کو اب میں اپنے پاس نہیں پاتا۔) (۲)

غور کیجئے کہ جب کچھ حمد و ثناء کے کلمات بھی ایسے ہیں جو وہاں ہی القاء والہام ہوں گے، تو یہ دعویٰ کہ آپ کو قبل وصال سب چیزوں کا علم دے دیا گیا، حقیقت سے کس قدر دور ہے؟

✽ سرور عالم ﷺ کو عالم الغیب کہنا؟

اب آئیے دوسرے نقطہ اختلاف کی طرف! ہم نے اوپر واضح کیا ہے کہ دیوبندی حضرات کی طرح بریلویت کے علمبردار بھی یہ مانتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کو جو کچھ علم حاصل ہے، وہ اللہ کے عطا فرمانے کا نتیجہ ہے اور یہ بات اوپر واضح

ہو چکی ہے کہ علم غیب وہی ہے جو ذاتی طور پر حاصل ہو۔

اس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حقیقی معنی کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ نہ ہی دیوبندیوں کے پاس عالم الغیب ہیں، نہ بریلویوں کے نزدیک، کیوں کہ حقیقی معنی کے لحاظ سے عالم الغیب وہی ہے جو بلا کسی واسطہ کے ذاتی طور پر علم رکھتا ہو اور ایسا علم آپ کو حاصل نہ ہونے پر دونوں طبقے متفق ہیں، جیسا کہ اوپر حوالے پیش کیے جا چکے ہیں۔

اب اختلاف صرف اس قدر ہے کہ اللہ کی عطا سے آپ کو جو بعض غیب کی باتوں کا علم حاصل ہوا ہے۔ اس کی بناء پر آپ کو عالم الغیب کہنا درست ہے یا نہیں؟ بریلوی لوگ اس کو درست قرار دیتے ہیں اور آپ کے لیے عالم الغیب کا اطلاق ضروری سمجھتے ہیں اور دیوبندی علماء اس کو بھی درست نہیں قرار دیتے۔ دیوبندی حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے بعض الفاظ سے اس لیے منع کر دیا ہے کہ اس سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ مثلاً حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اپنے غلام و باندی کو ”عبدی اور امتی“ (میرے بندے، میری بندی) نہ کہو تم سب کے سب اللہ

کے بندے اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔“ (۱)

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ

”تم میں سے کوئی، میرا بندہ، میری بندی ہرگز نہ کہے اور غلام بھی (اپنے آقا کو) میرا رب نہ کہے۔ تم سب اللہ کے مملوک و غلام ہو اور رب تو اللہ ہی ہے۔“ (۲)

ان حدیثوں میں اپنے غلام و باندی کو بندہ، بندی کہنے سے اور آقا کو رب کہنے سے صاف طور پر منع کیا ہے، اس کی وجہ علماء نے یہی بتائی ہے کہ غلام کو بندہ کہنے سے آقا کے معبود ہونے کا وہم ہوتا ہے، اسی طرح کسی کو رب کہنے سے اللہ کی صفت ربوبیت میں اس کے شریک ہونے کا وہم گزرتا ہے۔ شریعت اس کو بھی ناپسند کرتی ہے۔

(۱) الادب المفرد: ۴۸ (۲) الادب المفرد: ۴۸

اسی طرح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض و برا آدمی وہ ہوگا جو اپنا نام ”مَلِکُ الاملاک“ رکھے۔ سوائے اللہ کے کوئی مالک نہیں۔ (۱)

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ نام رکھنا حرام ہے۔ اسی طرح اللہ کے مخصوص ناموں سے نام رکھنا حرام ہے۔ جیسا رحمان، قدوس، مہمین، خالق الخلق وغیرہ۔ (۲)
جب یہ واضح ہو گیا کہ شریعت بعض ناموں سے منع کرتی ہے جن میں شرک کا وہم ہوتا ہو، تو اب یہ بھی واضح ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کو عالم الغیب کہنے سے بھی چوں کہ یہی شرک کا وہم ہوتا ہے۔ لہذا یہ اطلاق بھی جائز نہ ہوگا۔

ایک طرف نصوص میں عالم الغیب کا اطلاق اللہ ہی کے لیے ہوا ہے، دوسری طرف غیر اللہ سے اس کی نفی کر کے اس کو خدا کی مخصوص صفت قرار دیا گیا ہے، تو اب تاویل کے ذریعہ اس کا آپ پر اطلاق کرنا شرک کا وہم پیدا کرتا ہے۔ لہذا علماء دیوبند اسی وجہ سے اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

✽ مخالفین کے دلائل پر نظر:

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے، ان لوگوں کے دلائل کا جو نبی کریم علیہ السلام کے لیے ذرہ ذرہ کا علم کا غیب ثابت کرتے ہیں، اختصار کے ساتھ جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

ان لوگوں کی دلیل ایک تو یہ آیت ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾

(اے نبی! اللہ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے) (نساء: ۱۱۳)

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ نے خود بتایا ہے کہ آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ

سب کچھ آپ کو بتا دیا، تو اس میں تمام چیزیں داخل ہو گئیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا یہی مطلب ہوتا ہے تو قرآن میں اللہ نے ایسا ہی تمام مسلمانوں سے فرمایا ہے:

﴿كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُ تَعْلَمُونَ﴾

(یعنی جیسے سکھایا تم کو وہ جو تم نہیں جانتے تھے) (بقرہ: ۲۳۹)

تو کیا یہاں بھی ”ما“ (جو کچھ) کا یہی معنی لیں گے کہ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب سکھایا تو کیا تمام مسلمان بھی ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو جیسے یہاں ”ما“ کا لفظ عام نہیں۔ ایسے ہی پہلے جملہ میں بھی عام نہیں۔ بلکہ مراد آیت کی یہ ہے کہ اے نبی! منصب نبوت کے متعلق جو کچھ ضروری ہے وہ ہم نے آپ کو سکھا دیا ہے۔ ان حضرات کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے اللہ کو بہترین صورت میں دیکھا، اللہ نے پوچھا کہ فرشتے کس بات میں جھگڑا کر رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ آپ ہی بہتر جانتے ہیں، اللہ نے کندھے پر ہاتھ رکھا، پس تمام چیزیں میرے لیے ظاہر ہو گئیں، جو آسمان وزمین میں ہیں“ (۱) مواہب میں حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا کو میرے پاس اٹھالایا گیا۔ پس میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں اور ان تمام چیزوں کی طرف بھی دیکھ رہا ہوں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ (۲) مگر ان روایات سے بھی استدلال کرنا کہ آپ ہر ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں۔ صحیح نہیں۔ اولاً تو ان روایات کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (۳)

دوسرے ان روایات میں بھی ”ما“ سے عموم مراد لینا صحیح نہیں، جبکہ بے شمار روایات سے ثابت ہے کہ آپ کو بہت سے امور دنیویہ کا علم نہ تھا۔ لہذا یہاں بھی ”ما“

(۱) مشکوٰۃ: ۷۰ (۲) مواہب لدنیہ (۳) دیکھو احکام القرآن مفتی محمد شفیع صاحب: ۳۷۲

سے مراد زمین و آسمان کے اہم واقعات ہیں، تیسرے حدیث کے الفاظ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت زمین و آسمان کو آپ کے لیے منکشف کر دیا گیا تھا۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ حالت برقرار رہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر آپ کو بہت سارے ان امور میں دقت پیش نہ آتی جن کی طرف آپ نے توجہ بھی فرمائی۔

غرض یہ کہ ان روایات سے یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ آپ کو ذرہ ذرہ کا علم تھا۔ یاد رکھو! عقیدہ کا ثبوت قطعی دلیل سے ہوتا ہے نہ کہ ضعیف خبر واحد سے جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔

مشکل کشا و حاجات روا اور مختار کل

اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کی حاجت روائی و مشکل کشائی فرماتے ہیں اور ساری مخلوق اللہ تبارک و تعالیٰ کی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں۔ مگر کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی مشکل کشا و حاجت روا و مختار کل ہے؟

اس سوال کے جواب میں دیوبندی حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا و مشکل کشا نہیں اور نہ کوئی مختار کل ہے۔ اور بریلوی لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرات اولیاء اللہ بھی مشکل کشا ہیں اور حاجت روائی کرنے کی طاقت و قوت رکھتے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم علیہ السلام کو اور آپ کے واسطے سے اولیاء اللہ کو کائنات میں تصرف کا پورا اختیار دے دیا ہے۔

❖ بریلوی مسلک کی توضیح:

آگے بڑھنے سے پہلے بریلوی مسلک کی وضاحت کر دینا ضروری ہے تاکہ آگے بحث کے موقع پر دقت نہ پیش آئے۔ بریلوی مسلک کی مشہور و معروف

و مستند کتاب ”بہار شریعت“ میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ:

”حضور اقدس ﷺ اللہ عز و جل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا، جو چاہیں کریں، جیسے چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ آگے لکھتے ہیں: ”ملکوت السموات والارض“ حضور کے زیر فرمان جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئی ہیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا اور آخرت حضور کی عطا کا ایک حصہ ہے۔ احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دیے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں۔“ (۱)

اور اسی کتاب میں حضرات اولیاء اللہ کے متعلق لکھا گیا ہے:

”اولیاء کرام کو اللہ عز و جل نے بہت بڑی طاقت دی ہے، ان میں جو اصحاب خدمت ہیں، ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے، سیاہ و سفید کے مختار بنادیے جاتے ہیں، یہ حضرات نبی ﷺ کے سچے نائب ہیں، ان کو اختیارات و تصرفات حضور کی نیابت میں ملتے ہیں۔“ (۲)

ان عبارات سے بریلوی مکتب فکر کا اولیاء اللہ و آنحضرت ﷺ کے بارے میں عقیدہ وضاحت و صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ حضرات، سیاہ و سفید کے مالک اور کائنات میں ہر طرح کے تصرف کے مجاز و مختار ہیں تو حاجت روائی و مشکل کشائی بھی ان کی صفت ہے۔

✽ مسلک دیوبند کی ترجمانی:

اس کے بعد علماء دیوبند کا مسلک بھی واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ کوئی غلط وہم

نہ ہو جائے۔ علماء دیوبند حضرات انبیاء، حضرات اولیاء اللہ کو بڑی عظمت و محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی عظمت و محبت کو ایمان کا جز و لازم خیال کرتے ہیں؛ مگر ان کو مختار کل اور مشکل کشا نہیں مانتے۔ یعنی اللہ کی صفات بندوں کو بانٹنے کے وہ قائل نہیں۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

”اولیاء اکرام اور صوفیاء عظام کا طبقہ مسلک علماء دیوبند کی رو سے اُمت کے لیے روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے، جن سے ان کی امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اصل حیات ہے، اس لیے علماء دیوبند ان کی محبت و عظمت کو تحفظ ایمان کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر غلو کے ساتھ اس محبت و عقیدت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے، ان کی تعظیم ضروری سمجھتے ہیں؛ لیکن ان کے معنی عبادت کے نہیں لیتے کہ انہیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و رکوع یا طواف یا نذر یا منت و قربانی کا محل بنالیں، وہ ان کی منور قبروں سے استفادہ اور فیض حاصل کرنے کے قائل ہیں؛ لیکن انہیں مشکل کشا اور دافع البلاء والو باء نہیں سمجھتے، کہ وہ صرف شان کبریائی ہے۔“ (۱)

اس سے واضح ہوا کہ علماء دیوبند انبیاء و اولیاء کی تعظیم و محبت کرتے ہیں؛ مگر ان کو خدا جیسا نہیں سمجھتے، صفات خداوندی سے ان کو متصف کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ لہذا وہ ان کو مشکل کشا و مختار کل نہیں مانتے۔

اب ہمیں قرآن و حدیث کے دلائل سے یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا مسلک صحیح ہے اور اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔

✽ قرآن کا فیصلہ:

(۱) پہلے قرآن کو لیجئے! اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ

لوگوں سے علی الاعلان یہ کہدیں کہ

﴿لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ
إِنِّي مَلَكَ إِنَّ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ (انعام: ۵)

(ترجمہ: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اس وحی کا تابع ہوں۔ جو مجھ پر اترتی ہے)

اس آیت کی تشریح و تفسیر میں مولانا نعیم الدین صاحب رضوی مرآۃ بادی لکھتے ہیں کہ:

”کفار کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سید عالم ﷺ سے طرح طرح کے سوالات کیا کرتے تھے، کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں، ہمارے لیے پہاڑوں کو سونا بنا دیجئے — کچھ اور کفار کے مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: — ان تمام باتوں کا اس آیت میں جواب دیا گیا ہے — کہ آپ فرما دیجئے کہ میرا دعویٰ یہ تو نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جو تم مجھ سے مال و دولت کا سوال کرو۔ (۱)

آیت پاک اور اس کی مذکورہ بالا تفسیر سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ نے اپنے خزانوں پر اختیار تصرف نہیں دے دیا ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت و صراحت سے خود نبی کریم ﷺ کی زبانی اس کی نفی کر دی ہے اور آخر میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ آپ تو اللہ کے حکم کے تابع ہیں جو وحی کے ذریعہ آپ کو بتایا جاتا ہے، آپ کو کلی اختیارات اور ہر طرح کی قدرت نہیں دے دی گئی ہے۔ اور اسی طرح کی بات قرآن میں حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی بصراحت بتائی ہے۔ (سورۃ ہود: ۳۱)

جب حضرت نوح علیہ السلام اور خود جناب رسالت مآب نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں قرآن نے یہ بتایا ہے تو اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کے بارے میں کون گمان کر سکتا ہے کہ وہ مختار کل ہو سکتے ہیں، اور سیاہ و سفید ان کے تحت تصرف کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب نبی کو بھی قرآن یہ حق نہیں دیتا ہے تو غیر نبی کو کس طرح حق مل سکتا ہے؟

(۲) ایک جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ کفار نبی کریم ﷺ سے کہتے ہیں کہ قیامت کا یا عذاب کا جو وعدہ آپ کرتے ہیں، وہ کب آئے گا؟ آپ جلد اس عذاب کو لائیے! یہ ذکر کر کے اللہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اس کا جواب یوں دیجئے۔

﴿لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ (یونس: ۴۹)

(میں اپنی ذات کے لیے نقصان یا نفع کا مالک نہیں مگر جتنا کہ اللہ چاہے)

یہی بات بعینہ سورہ اعراف (آیت: ۱۸۸) میں بھی موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات میں تصرف کا اختیار نبی کریم ﷺ کو نہیں دیا گیا اور نہ آپ نفع و نقصان کے مالک ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کفار کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ آپ عذاب لائیے! قیامت قائم کیجئے! تو اگر آپ کو کائنات میں تصرف کا اختیار خدا کی عطا سے ہی سہی حاصل ہوتا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل کرنے سے ان کا جواب کیسے ہو جاتا؟ جواب تو اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس کا اختیار نہ ذاتی طور پر حاصل ہوا اور نہ اللہ کی عطا سے حاصل ہو۔

الغرض معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ کو نفع و نقصان کا مالک، کائنات میں تصرف کا مجاز، اور تمام خزانوں کا حامل نہیں بنا دیا ہے۔ قرآن اس کی نفی کرتا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں رزق کے بارے میں بے شمار آیات ہیں، جن میں رزق

کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور بتایا ہے کہ رزق بے حساب دینا، کسی کو کم کسی کو زیادہ دینا، یہ سب اللہ کا کام ہے۔ یہاں ان آیات سے چند کے صرف حوالہ پیش کرتا ہوں۔

رعد: ۶۲، نحل: ۷۱، بنی اسرائیل: ۳۰، قصص: ۸۲، عنکبوت: ۶۲، روم: ۳۷، سبا: ۳۶-۳۹، زمر: ۵۲، شوری: ۱۲، بقرہ: ۲۱۲، نور: ۳۸ وغیرہ ان حوالوں کو قرآن میں دیکھ لیں۔ صاف طور پر معلوم ہوگا کہ رزق کے دینے، کم کرنے، زیادہ کرنے کو اللہ نے صرف اور صرف اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ نیز دیگر آیات میں مخلوق سے نفی کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ﴾ (سبا: ۲۴)
(آپ) ان سے پوچھئے (کون تمہیں رزق دیتا ہے، آسمانوں اور زمین سے آپ خود بتا دیجئے کہ اللہ۔)

اور سورہ فاطر میں ہے کہ اللہ نے سوال کیا ہے کہ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے؟ جو تمہیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ (فاطر: ۳)
یعنی کوئی ایسا نہیں۔ اس کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ نبی کریم ﷺ ہی کے دربار سے رزق تقسیم ہوتا ہے۔

(۴) قرآن میں ایک جگہ نبی کریم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:
﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ﴾. (تحریم: ۱۰)

(اے نبی!) (علیہ السلام) آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں، جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے، اپنی بیویوں کی مرضی کی خاطر)
یہ آیت ایک خاص موقع پر نبی کریم ﷺ کے ایک چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے

یعنی نہ کھانے کی قسم کھالینے پر نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی یہ اختیار نہ تھا کہ شرعی احکامات میں اپنی طرف سے تبدیلی فرمادیں۔ یہاں حالانکہ آپ نے دین میں تبدیلی نہیں کی تھی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دے دیا ہو؛ بلکہ آپ نے اپنی ذات کے لیے اس کو حرام کر لیا تھا۔ جو دراصل حلال کو حرام کرنا نہیں بلکہ حلال سے پرہیز کرنا ہے، اس پر بھی جب آپ پر عتاب ہوا تو غور فرمائیے کہ شریعت کو تبدیل کرنے کا آپ کو اختیار ہو سکتا ہے؟

یہ چند آیات ہیں، جو بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ دیوبندی علماء جو کہتے ہیں کہ مختار کل اور کائنات میں متصرف صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اسی طرح نفع و نقصان کی مالک ذات صرف اللہ ہی کی ہے، لہذا مشکلات کو حل کرنا اور حاجت روائی کرنا بھی صرف اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ یہ صحیح ہے۔

❖ حدیث نبوی کا فیصلہ:

احادیث میں نبی کریم ﷺ نے امت کو اسی کی تعلیم دی کہ جو مانگنا ہے اللہ سے مانگو! کسی حدیث میں بھی یہ نہیں ملتا کہ آپ نے کسی صحابی کو بھی یہ تعلیم فرمایا ہو کہ اللہ کے بجائے میرے سے مانگو، میں مختار کل ہوں، نفع و نقصان کا مالک ہوں، اور کائنات میں تصرف کا اختیار رکھتا ہوں۔ نہیں، کبھی نہیں۔ بلکہ ہمیشہ یہی سکھایا ہے کہ اللہ سے مانگو۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

”اِسْتَعِنْ بِاللّٰهِ“ (کہ اللہ سے مدد چاہو) (۱)

(۲) حضرت ابن عباس کو نبی کریم ﷺ نے نصیحت فرمائی، اس میں یہ بھی فرمایا کہ جب مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو، پھر فرمایا کہ اگر

پوری اُمت تجھ کو نفع دینا چاہے تو نہیں دے سکتی؛ مگر جتنا کہ اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ سب تجھ کو نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے؛ مگر جتنا کہ اللہ نے تیرے حق میں لکھ دیا ہے۔ (۱)

ان احادیث میں نبی کریم علیہ السلام نے اُمت کو یہی تعلیم دی ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ سے سوال کرو، اسی سے مدد چاہو۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ پوری اُمت یعنی تمام لوگ مل کر بھی نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان، اور پوری اُمت سے مراد صرف عام لوگ ہی نہیں؛ بلکہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ مراد تمام مخلوق خاص و عام انبیاء و اولیاء اور ساری اُمت ہے۔ (۲)

معلوم ہوا کہ حدیث نفع و نقصان کی مالک صرف اللہ کو قرار دیتی ہے اور اسی سے اپنی مرادیں و حاجتیں مانگنے کی تعلیم دیتی ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے ہر ایک اپنی سب حاجتیں اپنے رب سے مانگے حتیٰ کہ جو توں کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ ہی سے مانگے اور حضرت ثابتؓ بنانی سے مرسل مروی ہے کہ حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ نمک کی ضرورت ہو تو بھی اللہ سے مانگے۔“ (۳) غور فرمائیے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام تمام مسلمانوں کو تعلیم دے رہے ہیں کہ جب بھی تمہیں کوئی ضرورت پڑے تو اللہ ہی سے مانگو، حتیٰ کہ نمک اور تسمہ جیسی چیزیں بھی اسی سے مانگو۔

نیز آپ نے اپنے ارشادات میں بتایا ہے کہ ہر چیز کا اختیار کلی صرف اللہ کو ہے مجھے کوئی اختیار نہیں۔ مثلاً بخاری شریف میں ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کا نام لے لے کر فرمایا: ”اے فلاں، اے فلاں“ لا اُغنی عنکم من اللہ شیئاً“ (کہ

میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ (۱)
اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور گفتگو کرتے ہوئے
کہا کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے اللہ
کا شریک بناتا ہے؟

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا نہیں؛ بلکہ صرف وہ جو اللہ چاہے۔ (۲)
اس حدیث نے بتا دیا ہے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، نہ کہ وہ جو حضور
چاہیں۔ اور اللہ کے ساتھ مشیت میں آپ کو شریک کرنا شرک ہے۔
غور کیجئے کہ اگر حضور کو اختیارات اللہ نے دے دیئے ہوتے تو آپ ﷺ
ایسا کیوں فرماتے؟

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل سے فرمایا کہ آپ
جتنی مرتبہ میرے پاس آتے ہیں۔ اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس پر یہ آیت
نازل ہوئی۔

﴿وَمَا نَنْتَظِرُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ (مریم: ۶۴)

(ترجمہ: ہم تمہارے رب کے حکم کے بغیر نہیں آتے)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضور کے مطالبے کا جواب تھی۔ (۳)
اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ جبریل علیہ السلام آپ کے
پاس زیادہ آئیں، مگر آپ کو اس خواہش کے پورا کر لینے کا اختیار نہیں تھا۔ آپ کو
جواب دے دیا گیا کہ فرشتے بغیر اللہ کے حکم کے آپ کے پاس نہیں آ سکتے۔

غور کیجئے اگر آپ کو پوری کائنات میں تصرف کا اختیار دے دیا گیا تھا تو
جبریل کو آپ نے حکم کر کے کیوں نہیں بلا لیا؟ پھر درخواست کی کیا ضرورت تھی

(۱) بخاری کتاب التفسیر: ۷۰۲/۲ (۲) الادب المفرد: ۲۷۴ (۳) کتاب التوحید بخاری: ۶۹۱/۲

اور درخواست پر بھی آپ کو یہ جواب دیا گیا کہ اللہ کے حکم کے بغیر فرشتے آپ کے پاس نہیں آسکتے۔

جب آپ ﷺ کا معاملہ یہ ہے تو اولیاء اللہ کا معاملہ کیا ہوگا؟ کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ اولیاء اللہ صاحب اختیار و تصرف ہوتے ہیں۔ مشکل کشا ہوتے ہیں؟ اور ملاحظہ کیجئے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی، تو قریش نے حضرت اسامہ بن زید کو اس کی سزا معاف کرانے کے لیے سفارش کرنے بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ کے مقرر کردہ حدود میں سفارش کرتے ہو؟ پھر فرمایا کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کے ہاتھ کاٹوں گا۔ (۱)

✽ محبوب سبحانی کا زرین ارشاد:

آخر میں حضرت شیخ محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ، کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ کے موحد بنو، اس کے دروازے سے مت ٹلو، اسی سے مانگو اور کسی سے مت مانگو، اسی سے مدد چاہو اور غیر سے مدد نہ چاہو، اسی پر بھروسہ کرو اور کسی پر بھروسہ مت کرو۔ (۲)

ایک اور مقام پر مخلوق کا عاجز ہونا، بڑے بلیغ انداز میں بیان فرماتے ہیں:

”انکو (اولیاء اللہ کو) معلوم و محقق ہو چکا کہ مخلوق عاجز و معدوم ہے، نہ ان کے ہاتھ میں ہلاکت ہے، نہ سلطنت، نہ ان کے قبضہ میں تو نگری ہے، نہ افلاس، اور نہ نقصان ہے، نہ نفع، ان (اولیاء) کے نزدیک بجز خدائے برتر و بزرگ کے نہ کوئی بادشاہ ہے، نہ قدرت والا اور نہ جلانے اور مارنے والا، اس کے سوا نہ کوئی دینے والا ہے، نہ کوئی روکنے والا، نہ فائدہ یا نقصان پہنچانے والا۔“ (۳)

(۱) مشکوٰۃ: ۲۱۴ (۲) خطبات غوثیہ مجلس ص: ۴۷-۳۶۸ (۳) خطبات غوثیہ مجلس: ۵۵۴

خطبات غوثیہ جو آپ کے مواعظ و مجالس کا مجموعہ ہے، اس میں بے شمار موقعوں پر حضرت علیہ الرحمہ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ مخلوق محتاج ہے۔ صرف اور صرف اللہ مختار کل ہے۔

✽ ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اس مسئلہ زیر بحث میں قرآن وحدیث کا اور علماء کا جو نقطہ نظر تھا، وہ تو آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اب اس مسئلہ میں جن لوگوں نے اس کے خلاف یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے طفیل میں حضرات اولیاء اللہ ہر چیز کی طاقت و قدرت رکھتے ہیں، وہ حاجت روا و مشکل کشا ہوتے ہیں اور کائنات میں تصرف کا حق تعالیٰ نے ان کو دے دیا ہے، ان کی اس غلطی کی وجہ بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ ان لوگوں کو جو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے وہ حضرات انبیاء کے معجزات اور حضرات اولیاء اللہ کی کرامات کی وجہ سے ہے، اس میں شک نہیں کہ معجزات انبیاء و کرامات اولیاء حق ہیں، مگر یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیار میں دے دیا ہے۔ بلکہ معجزات اور کرامات دراصل اللہ ہی کے کام ہیں، جو نبی یا ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں، نبی یا ولی کو اختیار نہیں کہ جو معجزہ و کرامت چاہے خود دکھا دے۔ قرآن میں نبی کریم ﷺ کو کہا گیا: ﴿وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ [الانفال: ۱۷]

(جب کافروں پر آپ نے مٹی پھینکی تھی جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ تمام کفار کی آنکھوں میں اس کے ریزے پڑ گئے اور وہ شکست کھا گئے) تو یہ آپ نے نہیں؛ بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔ (اس آیت کا مطلب علماء نے یہ بتایا ہے کہ پھینکنے کا یہ کام کسباً تو آپ نے کیا؛ مگر حقیقت میں اس فعل کا خالق اللہ ہی ہے۔^(۱) نیز قرآن میں ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [الرعد: ۳۸]

(۱) دیکھو شرح فقہ اکبر ملا علی قاری: ۶۰، روح المعانی: ۱۸۵/۹، قرطبی: ۳۸۵/۱۷

(کسی رسول کے اختیار میں نہیں کہ کوئی نشان (معجزہ) لے آئے مگر خدا کے حکم سے) معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کے بغیر نبی اپنی مرضی و اختیار سے معجزہ ظاہر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کرامت کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ صحابہ سے بدر کے موقعہ پر جو عجیب قوت ظاہر ہوئی اور چند بے سروسامان صحابہ نے ہزار سے زائد ہتھیاروں سے لیس کفار کا مقابلہ کر کے ان کو قتل کر دیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ﴾ (انفال: ۱۷)

(ترجمہ: تو تم نے انہیں قتل نہ کیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے)

مطلب یہ کہ یہ کرامت اللہ کا فعل ہے، جو تمہارے ہاتھوں ظاہر ہوا ہے۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جب مسلمان جنگ بدر سے واپس ہوئے تو ان میں سے ایک کہتا تھا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا، دوسرا کہتا تھا، میں نے فلاں کو قتل کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ اس قتل کو تم اپنے زور و قوت کی طرف نسبت نہ کرو کہ یہ درحقیقت اللہ کی مدد اور اس کی تقویت و تائید ہے۔“ (۱)

الغرض حضرات انبیاء و اولیاء سے جو معجزہ و کرامت ظاہر ہوتے ہیں، وہ حق ہیں، مگر ان کا تعلق اللہ کے فعل سے ہے، اور وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ جب خدا چاہتا ہے تو ہوتا ہے، ورنہ نہیں ہوتا۔ لہذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ انبیاء و اولیاء کو اللہ نے پورا اختیار دے دیا ہے، وہ جو چاہیں اب اپنی مرضی و اختیار سے کر سکتے ہیں۔

وسیلہ

حضرات انبیاء و اولیاء، صلحاء و شہداء کا وسیلہ لینا شریعت میں کیا درجہ و مقام رکھتا ہے؟ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وسیلہ کی مختلف صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر صورت کا حکم الگ ہے، نیز یہ بھی صاف ہو جانا ضروری ہے کہ وسیلہ کی کونسی صورت میں اختلاف ہے۔

❖ وسیلہ کی پہلی صورت:

وسیلہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حاجات پیش کرتے ہوئے دعاء میں بزرگان دین و مقبولان الہی کا واسطہ دیا جائے اور یوں کہے کہ اے اللہ! ان مقبول بندوں کے طفیل و صدقہ میری یہ حاجت و مراد پوری فرما دے۔

یہ صورت دیوبندی حضرات و بریلوی حضرات دونوں کے نزدیک جائز ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ترمذی، حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں بینائی جاتے رہنے سے پریشان ہوں اور میرے پاس کوئی رہبر نہیں ہے۔ آپ نے اس کو دعاء سکھائی، جس میں یوں ہے۔ اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور سوال کرتا ہوں تیرے نبی محمد کے واسطے سے جو نبی رحمت ہے۔ (۱)

یہ روایت صحیح قرار دی گئی ہے، جیسا کہ علامہ سبکی نے فرمایا۔

بزرگان دیوبند نے اس وسیلہ کی صورت کو جائز قرار دیا ہے اور خود بھی اس وسیلہ کی صورت کو اپنایا ہے۔ مولانا قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ بانی دارالعلوم دیوبند نے منظوم مناجات، میں اس کو اپناتے ہوئے اللہ سے التجا کی ہے:

بحق سرور عالم: بحق برتر عالم محمد

(۱) شفاء السقام علامہ سبکی: ۱۶۶

نیز حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ ”تقویۃ الایمان“ میں فرماتے ہیں:
ہاں! اگر یوں کہے کہ ”یا الہ کچھ دے شیخ عبدالقادر کے واسطے“ تو بجا (درست) ہے۔ (۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ ”تفسیر معارف القرآن“ میں فرماتے ہیں:

”ان (اولیاء و انبیاء) کا واسطہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا، روایات حدیث اور ارشادات قرآن سے اس کا بھی جواز ہے۔ وہ بھی اس استعانت (وسیلہ و توسل) میں داخل نہیں جو حرام و شرک ہے۔ (۲)
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان دیوبندیؒ تمام علماء دیوبند کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”وان توسل بالنبی وبعده من الاولیاء العظام جائز بان یکون السؤل من اللہ تعالیٰ ویتوسل بولیہ ونبیہ ﷺ“ (۳)

(نبی اور ان کے بعد اولیاء اللہ سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے، اس طرح کہ سوال تو اللہ تعالیٰ سے ہو اور نبی اور ولی کا وسیلہ لیا جائے)
الغرض یہ صورت باتفاق جائز ہے، البتہ اہل حدیث جمہور سے ہٹ کر اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں، مگر ان کا یہ کہنا بے دلیل ہے۔
✽ وسیلہ کی دوسری صورت:

دوسری صورت وسیلہ کی یہ ہے کہ خود بزرگان دین و مقبولان بارگاہ الہی سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہماری مرادیں و حاجتیں پوری کرنے کے لیے دعا کریں، بشرطیکہ وہ زندہ ہوں۔ اس صورت میں بھی اختلاف نہیں ہے، سب

(۱) تقویۃ الایمان: ۸۵ (۲) معارف القرآن ۱۰۰/۱ (۳) بحوالہ امداد الفتاویٰ ۶/۳۲۷

کے نزدیک یہ صورت جائز ہے اور زمانہ رسالت سے آج تک برابر لوگ حضرات علماء صلحاء بزرگان دین سے اسی طرح دعا کی درخواست کرتے آئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ جو توسل کے مسئلہ میں نہایت متشدد و سخت گیر ہوئے ہیں، وہ بھی اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے فتاویٰ میں اس پر تفصیل سے لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”توسل کے لفظ سے تین معنی مراد لیے جاتے ہیں، ان میں سے دو معنی ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کے درمیان اتفاق ہے، ایک جو کہ ایمان و اسلام کی اصل ہے۔ یہ کہ حضور پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ لے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی دعاء اور شفاعت سے وسیلہ لے۔ جو شخص وسیلہ کے ان دو معنوں میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔“ (۱)

بہر حال یہ صورت بھی باتفاق مسلمین جائز ہے، اور یہ صورت جس طرح نبی کریم علیہ الرحمہ سے وسیلہ لینے کے لیے درست ہے، اسی طرح ابن تیمیہؒ کے نزدیک اولیاء صالحین سے وسیلہ لینے کے لیے بھی درست ہے۔ (۲)

❖ وسیلہ کی تیسری صورت:

وسیلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ بعد وصال بزرگان دین والیاء کرام سے، ان کی قبروں پر جا کر دعا کی جائے وہ ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مرادیں پوری کر دے۔ اس صورت کو علماء دیوبند ناپسند کرتے ہیں۔ اور ناپسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے وصال کے بعد قبروں میں ان کا سننا اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض علماء سلف و صحابہ سماع موتی کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں ہیں اور اس

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہؒ ۱۵۳ (۲) فتاویٰ ابن تیمیہؒ ۱۳۳

سلسلہ میں اکابرین دیوبند کا مسلک وہ ہے، جو مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے عربی رسالہ ”تکمیل الجور بسماع اہل القبور“ میں رقم کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”ہر فرد اور ہر وقت میں سماع موتی کا اطلاق بے دلیل بات ہے، اس طرح یکسر اس کا انکار، نصوص (مذکورہ بالا) کی مزاحمت ہے، اسی لیے ہم نے فی الجملہ سماع موتی کے ثبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ فی الجملہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی وقت میں ہوگا، کسی وقت میں نہیں، کسی کے لیے ہوگا، کسی کے لیے نہیں، بعض باتوں میں ہوگا، بعض میں نہیں۔“ (۱)

اور یہی بات احناف میں سے حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بیان کر کے فرمایا ہے:

”وہذا الوجه هو الذي يترجح عندي“

(یعنی توجیہ میرے نزدیک رائج ہے) (۲)

نیز سلف صالحین سے بھی کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بعد وصال بزرگوں سے ان کی مزاروں پر جا کر دعا کے لیے کہتے تھے۔ اس لیے دیوبند کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس صورت کو جائز قرار دے کر فرمایا ہے کہ ”پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے۔“ (۳)

✽ ایک وضاحت:

مگر یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ وسیلہ کی تیسری صورت کے بارے میں جو لکھا گیا ہے۔ یہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے متعلق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مزار پر آپ سے دعاء کی درخواست علماء دیوبند کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ آپ کا قبر اطہر میں زندہ ہونا اور زائر قبر کی بات کا سننا ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

(۱) احکام القرآن: ۱۶۸/۳۔ عربی (۲) احکام القرآن: ۵۸ (۳) امداد المفتین: ۱۹۵

صاحب نے آیت: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ (نساء: ۶۴)
 (اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر، آپ کی خدمت میں آتے پھر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور اللہ کے رسول بھی ان کے لیے معافی مانگتے تو یہ لوگ اللہ کو تواب اور رحیم پاتے)

اس کے تحت میں لکھا ہے کہ:

اس (آیت) کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں، اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حاجت کے زمانہ میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (۱)

اور علماء دیوبند کا معمول رہا ہے کہ وہ روضہ اقدس پر حاضری کے موقع پر آپ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنی حاضری کے موقع پر آپ کے دربار میں جو منظوم نظم پیش کیا تھا۔ اس میں یہ اشعار بھی ہیں:

فانظر الی ظفر قد جاء معتذراً ☆ والطف بصب کئیب هائم شفق

واستغفر الله لی حتی تجاوز عن ☆ زنات هوت بالجهل فی الزلق

(ترجمہ: ظفر کی طرف نظر کرم کیجئے کہ وہ عذر خواہ ہو کر آیا ہے۔ اور اس عاشق پر جو غمگین پیاسا اور خوف زدہ ہے، لطف و کرم کیجئے اور میرے لیے اللہ سے استغفار کیجئے تاکہ وہ میرے نفس کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرے جو جہالت سے صادر ہوئے ہیں۔)

الغرض علماء دیوبند کا نقطہ نظر نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ کی مزار پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے کا جواز ہے۔ البتہ آپ کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے حق میں اس صورت وسیلہ کو احتیاط کے خلاف کہتے ہیں، کیونکہ صحابہ و سلف سے اس کا معمول منقول نہیں ہے۔

✽ چوتھی صورت وسیلہ:

وسیلہ کی چوتھی صورت وہ ہے جو آج عوام الناس میں معروف و مروج ہے۔ اور بریلوی حضرات بھی اس کی تائید و توثیق فرماتے ہیں، اور عوام کو اس صورت پر کار بند ہونے اور رہنے کی تاکید بھی فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ خود اولیاء اللہ و بزرگان دین سے اس خیال سے اپنی مرادیں مانگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دربار تک بلا واسطہ رسائی نہیں پاسکتے۔ جیسے دنیوی بادشاہوں تک بغیر واسطہ و وسیلہ رسائی نہیں ہو سکتی لہذا خدا کے بجائے انہی اولیاء کرام سے مانگا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اللہ نے اپنی قدرت کا ایک حصہ ان کو دے دیا ہے۔ لہذا وہ اس قدرت سے ہماری مرادیں پوری کر دیں گے۔

اس صورت وسیلہ کو علماء دیوبند صحیح نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ اس میں دو غلطیاں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ان لوگوں نے اللہ کے دربار کو دنیوی بادشاہوں کے درباروں کی طرح سمجھ لیا ہے کہ جس طرح دنیوی بادشاہوں کے دربار میں رسائی کے لیے مختلف درمیانی لوگوں کا واسطہ چاہئے۔ اسی طرح اللہ کے دربار سے حاجت براری کے لیے بھی اولیاء اللہ کا وسیلہ چاہئے۔ یہ دو وجہ سے غلط ہے، اولاً اس لیے کہ اسلام نے اپنی حاجات کے لیے بلا واسطہ اللہ ہی کو پکارنے اور اسی سے مدد چاہنے کی تعلیم دی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے مضمون ”مشکل کشا“ کے تحت ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ نیز

قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ الخ (بقرہ: ۱۸۶)

(ترجمہ: اے نبی جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں (کہ میں دور ہوں یا نزدیک) تو فرما دیجئے کہ میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب وہ پکارتا ہے۔)

اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ انسان کے قریب ہے اور ہر پکارنے والے کی آواز سنتا ہے۔ لہذا اسی سے ہر بندہ مانگے، سوال کرے اور اسی کو پکارے۔

دوسرے اس لیے کہ دنیوی بادشاہوں کے پاس واسطے کی ضرورت اس لیے ہے کہ بادشاہ ہر کسی کی بات خود سن نہیں سکتا۔ نیز سارے لوگ اس کے پاس جمع ہو جائیں تو خود بادشاہ کو بھی بشریت کے تقاضے سے پریشانی ہو جائے۔ تو یہ بادشاہ اپنی کمزوری کی بناء پر واسطے رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ کی ذات تو ہر کمزوری سے پاک ہے۔ وہ ہر ایک کی ہر جگہ سے سنتا ہے اور ساری دنیا بھی مل کر اللہ کو بیک وقت پکارے تو اسے ہر ایک آواز کو ممتاز طریقے سے سننے میں کوئی مشکل نہیں پیش آتی۔ تو ایسے خدا کو دنیوی بادشاہوں پر قیاس کرنا کونسی عقلمندی ہے؟

(۲) دوسری غلطی اس میں یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس طرح دنیوی حکومتوں میں بعض اختیارات ماتحت افسروں اور گورنروں کو بادشاہ کی طرف سے مل جاتے ہیں اور اس کے بعد وہ افسر و گورنر اپنے اس اختیار کو استعمال میں لا کر زیر اختیار معاملات میں خود ہی فیصلہ کرتے ہیں اور اسی طرح اللہ نے اپنے نبیوں و ولیوں کو کچھ اختیارات دے دیے ہیں اور وہ اس کی بنا پر کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی دو وجہ سے غلط ہے۔

ایک تو اس لیے کہ ہم نے اوپر ”مشکل کشا“ عنوان کے تحت دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ اللہ نے ایسا اختیار نہ نبی کو دیا ہے، نہ ولی کو۔ لہذا یہ بات من گھڑت ہے۔ جب خدا خود ہی بتائے کہ کسی کو اختیار و قدرت نہیں۔ سارا اختیار مجھ ہی کو ہے تو کسی اور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کے اختیارات مخلوق کو تقسیم کر کے اپنی فیاضی و سخاوت کا مظاہرہ کریں؟

دوسرے اس لیے کہ دنیا کے بادشاہوں میں یہاں یہ تقسیم مناصب و تفویض اختیارات کا طریقہ اس لیے ہے کہ یہ بادشاہ دوسروں کے محتاج ہیں خود کچھ نہیں کر سکتے، لہذا اپنا عجز چھپانے کے لیے ایسا کرتے ہیں، مگر اللہ کی ذات تو کسی کی محتاج نہیں۔ اس کو ان بادشاہوں پر قیاس کرنا نری جہالت ہے۔

غرض یہ صورت وسیلہ اصول اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ اس لیے علماء دیوبند اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

✽ آیت وسیلہ کی تفسیر:

بعض لوگ جو وسیلہ کی اس غلط صورت کے حامی ہیں، وہ آیت وسیلہ سے اپنے مطلب پر دلیل لانے کی کوشش کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (مائدہ: ۳۵)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہے اور عوام بے چارے صرف لفظ وسیلہ سن کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس سے مراد یہی صورت ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن میں صرف یہی توفر مایا کہ وسیلہ تلاش کرو۔ جب وسیلہ کی کئی صورتیں ہیں تو ان میں سے یہاں کون سی صورت مراد ہے؟ اس کو کیوں نہیں پوچھا جاتا، جب اور بھی صورتیں وسیلہ کی ہیں اور ان کے جائز ہونے پر اتفاق

بھی ہے، تو یہاں اسی کو مراد لینا چاہئے۔ دوسرے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس آیت میں علماء تفسیر نے نیکیاں مراد لی ہیں، یعنی بندہ اپنی عبادات و نیکیوں کے ذریعہ اللہ سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جمہور علماء اس کا یہی مطلب لیتے ہیں جیسا کہ روح المعانی، قرطبی وغیرہ میں ہے۔

حاصل یہ کہ بندہ اللہ سے ڈرے اور اللہ سے قرب حاصل کرنے کے لیے نیکیوں میں لگے۔ یہی اس کے لیے وسیلہ ہے۔ کہاں یہ وسیلہ اور کہاں وہ جس میں خلاف شریعت امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔
 عوام میں وسیلہ کی بنیاد پر جہالت:

آج عوام میں وسیلہ کی بنیاد پر جو خرافات و جہالت کی باتیں پائی جاتی ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں، مزاروں پر نذر و نیاز، عرس و فاتحہ، بزرگوں کو پکارنا، ان کو سجدے کرنا وغیرہ وہ سب اس وسیلہ کی غلط صورت کو دل میں جمانے کا نتیجہ ہے۔

شفاعت

نبی کریم ﷺ، اولیاء اللہ، صالحین و شہداء کرام کا شفاعت کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر زمانے میں اہل سنت و الجماعت کا اتفاق رہا ہے۔ صرف ایک گمراہ فرقہ معتزلہ گزرا ہے، جس نے شفاعت سے انکار کیا ہے، مگر وہ بھی رفع درجات کے لیے شفاعت کے قائل ہیں۔

دیوبندی علماء اور بریلوی علماء دونوں اپنی اپنی کتابوں میں بڑے اہتمام سے اہل سنت کا یہ عقیدہ پیش کرتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء، صلحاء و شہداء، علماء و حفاظ کرام، اپنے اپنے درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے گنہ گاروں اور عام مسلمانوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔

مسئلہ شفاعت ایک اتفاقی مسئلہ:

چنانچہ یہاں دیوبندی علماء میں سے ایک کا اور بریلوی علماء میں سے ایک

کا حوالہ پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ یوبندی علماء میں حضرت تھانویؒ کے مشہور و معروف خلیفہ مرشدی حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ اپنی کتاب ”تعلیمات اسلام“ میں لکھتے ہیں۔

”آپ (نبی کریم ﷺ) قیامت کے روز خدا تعالیٰ کی اجازت سے گنہگاروں کی بخشش کی سفارش کریں گے۔ اسی لیے آپ کو شفیع المذنبین کہا جاتا ہے۔ آپ کی سفارش قبول کی جائے گی اور کافر و مشرک کے سواء سب کی سفارش ہوگی۔ آپ کے علاوہ دیگر انبیاء و اولیاء و شہداء صلحا بھی سفارش کریں گے؛ مگر بلا اجازت کوئی سفارش نہ کرے گا۔“ (۱)

بریلوی عالم مولانا امجد علی رضوی صاحب ”بہار شریعت“ میں فرماتے ہیں
 ”قیامت کے دن مرتبہ شفاعت کبریٰ حضور کے خصائص سے ہے۔“ (۲)
 بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ شفاعتِ انبیاء و اولیاء و شہداء حق ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

❖ نقطہ اختلاف کی وضاحت:

البتہ اختلاف جو کچھ ہے وہ شفاعت کی صورت میں ہے، ایک شفاعت و جاہت ہوتی ہے کہ کوئی نبی یا ولی محض اپنی وجاہت و مرتبہ سے اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کی شفاعت کرے، جیسے دنیوی بادشاہوں کے دربار میں وزیر و مشیر لوگ اپنے مرتبہ کی وجہ سے کسی کے حق میں سفارش کرتے ہیں اور بادشاہ کو اس خیال سے ان کی سفارش قبول کرنی پڑتی ہے کہ کہیں یہ لوگ باغی نہ ہو جائیں۔

دوسری شفاعت محبت کہ محبوب کسی کی سفارش کرے اور محب کو محض محبت کی وجہ سے اور اس خیال سے کہ محبوب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اس کی سفارش قبول

(۱) تعلیمات اسلام حصہ اول ص: ۶۲ (۲) بہار شریعت: ۱۳

کرنا پڑتا ہے۔

تیسری شفاعت بالاذن یعنی اجازت پا کر سفارش کرنا۔

بریلوی علماء تینوں قسموں کی شفاعت کے قائل ہیں۔ (۱)

اور علماء دیوبند فرماتے ہیں کہ اگرچہ انبیاء و اولیاء اللہ کے حضور وجاہت بھی حاصل ہے اور مقام محبوبیت بھی حاصل ہے؛ مگر اس وجاہت و مقام محبوبیت کو دنیوی بادشاہوں کے دربار میں حاصل ہونے والی وجاہت اور لوگوں کے درمیان حاصل ہونے والے مقام محبوبیت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ لہذا کسی بڑے سے بڑے نبی و ولی کی وجاہت اللہ کو اپنی مرضی کے خلاف سفارش قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ان کا مقام محبوبیت بھی اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ کسی کا محتاج نہیں اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

لہذا انبیاء و اولیاء جو شفاعت کریں گے وہ نہ شفاعت و وجاہت ہوگی اور نہ شفاعتِ محبت؛ بلکہ وہ تیسری شفاعت ہوگی جو اللہ کی اجازت و مرضی سے ہوگی۔

یہ ہے علماء دیوبند کا نظریہ و نقطہ خیال۔

✽ اللہ تعالیٰ کسی کی وجاہت و محبت سے مجبور نہیں ہوتا:

اب ہم اس کے دلائل پر نہایت اختصار سے کلام کریں گے۔ پہلے وجاہت کی بات لیجئے۔ قرآن مجید نے حضرت نوحؑ کے واقعات میں بتایا ہے کہ ”انہوں نے اپنے بیٹے (کنعان) کے حق میں اللہ سے سفارش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ان کی یہ سفارش رد فرمادی کہ

﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْتَلِنَ مَالَيْسَ

لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (ہود: ۴۵-۴۷)

(۱) دیکھو ”بہار شریعت: ۱/۱۴۱“

(تمہارا یہ بیٹا غیر صالح اعمال کی وجہ سے تمہارا بیٹا کہلانے کا مستحق نہیں، آپ کو جس بات کا علم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجئے۔“)

غور کیجئے کیا حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ کے نزدیک وجاہت و مقام محبوبیت حاصل نہ تھا؟ کہ اللہ نے ان کی شفاعت کو رد کر دیا۔ بے شک وجاہت بھی حاصل تھی محبوبیت بھی حاصل تھی؛ مگر یہ وجاہت و محبوبیت اللہ کو محبوب نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ وجاہت و محبوبیت جو ان کو یا ان کے علاوہ اور انبیاء کو حاصل ہے، وہ محض اللہ کی عنایت و رحمت ہے۔ اس کو دنیا کی وجاہت و محبوبیت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔

اور ملاحظہ کیجئے کہ حضرت ابراہیم اللہ کے کتنے محبوب اور اللہ کے نزدیک کس قدر مرتبہ والے تھے؛ مگر جب انہوں نے اپنے باپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی سفارش کی تو اللہ نے قبول نہ فرمائی اور قرآن نے یہ بھی بتا دیا کہ

(حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنے باپ کے حق میں مغفرت کی سفارش کی تھی۔ یہ اس وجہ سے تھی کہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو وہ اس سے بری ہو گئے۔ (توبہ: ۱۱۴))

نیز شفیع اعظم حضرت محمد ﷺ نے حضرت ابراہیم کی اقتدا میں اپنے چچا ابوطالب کے لیے استغفار کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ

(نبی یا مسلمانوں کو لائق نہیں کہ مشرکین کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی ہوں۔ جب کہ انہیں کھل گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔“ (توبہ: ۱۱۳))

مولانا نعیم الدین مرآد بادی اس کا شان نزول یہی بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ میں تمہارے لیے استغفار کروں گا جب تک کہ مجھے ممانعت نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ممانعت فرمادی۔ (۱)

یہ معلوم و مسلم ہے کہ نبی کریم ﷺ سے زیادہ نہ کوئی اللہ کو محبوب ہے نہ اللہ کے نزدیک ذی وجاہت؛ مگر آپ کے چچا کے حق میں اللہ نے آپ کی سفارش قبول نہ کی بلکہ خود سفارش کرنے سے بھی روک دیا۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شفاعت و سفارش، وجاہت و محبوبیت کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کی وجہ سے مقبول ہوگی۔

✽ شفاعت، اجازت پر موقوف ہے:

اوپر یہ ثابت ہو گیا کہ محض وجاہت و محبوبیت سے سفارش نہ ہوگی اور ہوگی تو مقبول نہ ہوگی؛ بلکہ اللہ کی اجازت و مرضی سے ہوگی۔ اس مضمون پر قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں یہاں صرف دو آیات نقل کرتا ہوں۔ ایک جگہ فرمایا۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (بقرہ: ۲۵۵)

(کون ہے جو اللہ کے اس سفارش کرے بغیر اس کی اجازت کے)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ﴾ (یونس: ۳)

(کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس (اللہ) کی اجازت کے بعد)

ان سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ کی طرف سے اجازت نہ ہوگی، کوئی سفارش نہ کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سارے انبیاء بھی سفارش کرنے سے گھبرائیں گے اور حضرت شفیع اعظم ﷺ کی طرف لوگوں کو بھیجیں گے۔ اور آپ بھی سجدہ میں پڑ کر اجازت طلب کریں گے۔ جب اجازت مل جائے گی تو سفارش کریں گے۔ (بخاری وغیرہ) اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں۔

✽ شفاعت کس کے لیے ہوگی؟

پھر یہ سفارش و شفاعت بھی صرف اس کے لیے ہو سکے گی۔ جس کے لیے اللہ

کی طرف سے اجازت ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک مجرم بادشاہ کے دربار میں لایا گیا اور بادشاہ اس مجرم کو خود معاف کر دینا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ حکومت کا خیر خواہ رہا ہے یا بادشاہ کا مطیع فرمانبردار رہا ہے۔ اب بادشاہ اپنے وزراء و مشیرین کی طرف دیکھ کر کہتا ہے کہ بتاؤ! اس مجرم کو معاف کر دیا جائے؟ وزراء و مشیرین بادشاہ کا اشارہ سمجھ جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ حضور! اس کو معاف کر دیا جائے، یہ سفارش بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہے۔ اسی طرح جس کے حق میں اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت، معافی کی ہوگی اللہ کا اشارہ پا کر شفاعت کی جائے گی۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا:

﴿لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾ (سبا: ۲۳)

(اس دن اللہ کے پاس شفاعت کام نہ آئے گی مگر اس کو جس کے لیے وہ

اجازت دے)

یہ مضمون اور آیات میں بھی آیا ہے۔ مثلاً: انبیاء: ۲۸، طہ: ۱۰۹، زخرف: ۸۶، نجم: ۲۶۔ غرض یہ کہ شفاعت کے لیے ایک تو یہ ضروری ہے کہ اللہ کی اجازت ہو، دوسرے یہ کہ شفاعت اسی کے لیے نفع دے گی جس کے لیے اللہ کی مرضی ہو، اور اللہ کی مرضی اسی کے لیے ہوگی جو وفادار ہو اور نفس کے تقاضے سے گناہ میں آلودہ ہو گیا ہو، اس لیے کفار کے حق میں شفاعت نہ ہوگی۔

آج کل لوگ شفاعت کا بیان اس طرح کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں گناہ کے لیے جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یوں سمجھا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پر اتنے شفیق اور مہربان ہیں کہ وہ ہمارے لیے ضرور سفارش کریں گے اور اللہ کو نعوذ باللہ ان کی بات کو ضرور ماننا پڑے گا۔ یہ انداز فکر بلاشبہ غیر مستقیم ہے۔

اختتام

الحمد للہ کہ دیوبندیت و بریلویت کے جن اہم اختلافی مسئلہ پر کلام کرنے کا ارادہ تھا، وہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں۔ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، دلائل کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔

میں تمام ناظرین سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ تنگ نظری و تعصب سے دور ہو کر، نہایت وسیع القلمی سے ان دلائل کو سمجھنے کی کوشش کریں، اسی لیے ہم نے دلائل کو اسی سادہ طرز پر پیش کیا ہے، جو قرآن و حدیث میں اختیار کیا گیا ہے۔ علمی موشگافیوں اور فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں سے پوری طرح پرہیز کیا ہے۔ کہ ان سے مسائل سلجھنے کے بجائے اور الجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ و رسول نے قرآن و حدیث میں سادگی کے ساتھ ”عقائد“ کی تعلیم و تفہیم کی ہے تاکہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی ان کو بآسانی سمجھ لے۔ اسی طرز کو اختیار کر کے ہمیں بھی صحیح راستہ مل سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو راہ حق کا رہبر بنائے اور قرآن و حدیث کا سچا پیرو بنائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ عفی عنہ